سالانہ نمبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

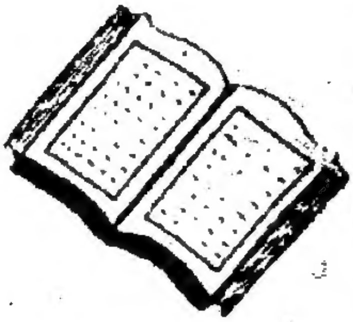

جمال و حسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

الفرقان

نومبر و دسمبر ۱۹۵۲ء

ایڈیٹر

ابو العطاء جالندھری

سالانہ نمبر کی قیمت [illegible] آنے	سالانہ چندہ [illegible]

قرآن کریم کی مدح میں عاشقانہ ترانہ

(از کلام حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام)

جمال و حسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

نظیر اس کی نہیں جمتی نظر میں فکر کر دیکھا
بھلا کیونکر نہ ہو یکتا کلامِ پاک رحماں ہے

بہارِ جاوداں پیدا ہے اس کی ہر عبارت میں
نہ وہ خوبی چمن میں ہے نہ اس سا کوئی بستاں ہے

کلامِ پاک یزداں کا نہیں ثانی کوئی ہرگز
اگر لولوئے عماں ہے وگر لعلِ بدخشاں ہے

خدا کے قول سے قولِ بشر کیونکر برابر ہو
وہاں قدرت یہاں درماندگی فرقِ نمایاں ہے

ملائک جس کی حضرت میں کریں اقرارِ لاعلمی
سخن میں اس کے ہمتائی کہاں مقدورِ انساں ہے

بنا سکتا نہیں اک پاؤں کیڑے کا بشر ہرگز
تو پھر کیونکر بنانا نورِ حق کا اس پہ آساں ہے

ارے لوگو کرو کچھ پاس شانِ کبریائی کا
زباں کو تھام لو اب بھی اگر کچھ بوئے ایماں ہے

خدا سے غیر کو ہمتا بنانا سخت کفراں ہے
خدا سے کچھ ڈرو یارو یہ کیسا کذب و بہتاں ہے

اگر اقرار ہے تم کو خدا کی ذاتِ واحد کا
تو پھر کیوں اس قدر دل میں تمہارے شرک پنہاں ہے

یہ کیسے پڑ گئے دل پر تمہارے جہل کے پردے
خطا کرتے ہو باز آؤ اگر کچھ خوفِ یزداں ہے

ہمیں کچھ کیں نہیں بھائیو نصیحت ہے غریبانہ
کوئی جو پاک دل ہووے دل و جاں اس پہ قرباں ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الفرقان

سالانہ نمبر

جلد چہارم | شمارہ نمبر ۱۱-۱۲

نومبر، دسمبر ۱۹۵۴ء | ربیع الاول ربیع الثانی ۱۳۷۴ھ

الفہرست

نمبر شمار	عنوان	مضمون نگار	نمبر صفحہ
۱	قرآن کریم کی مدح میں عاشقانہ ترانہ (نظم اردو)	حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام	ٹائیٹل ص ۲
۲	قرآن مجید کے کامل اور زندہ کتاب ہونے پر تین بے نظیر شہادتیں	ایڈیٹر	۳
۳	قرآن مجید کی اشاعت کا جذبہ (نظم فارسی)	حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام	۷
۴	قرآن مجید کی قانونی راستی و وسعت	جناب مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی	۸
۵	امکان نبوت کے تین دلائل مدیر ترجمان القرآن کے عذرات اور ان کا ازالہ	ایڈیٹر	۹
۶	میثاق النبیین کی تفسیر اور جناب مودودی صاحب کی غلطی	جناب ڈاکٹر غلام مصطفٰے صاحب	۱۸
۷	العربیۃ و حب القرآن	مکرم مولوی عبدالحق صاحب	۲۰
۸	ترجمان القرآن کے ایڈیٹر کے نام خط	جناب مولوی عبدالحکیم صاحب پشاور	۲۳
۹	شذرات:- (۱) رسالہ طلوع اسلام کی تازہ در افشانی (۲) مجلس ستور ساز اور اسلامی ملت (۳) وفات مسیح اور قرآن مجید (۴) اولیاء امت پر منکرین حدیث کا حملہ۔ (۵) دردمند دلوں کی تمنا۔	ایڈیٹر	۲۵
۱۰	احادیث نبویہ کے حجت شرعی ہونے پر دلائل (منکرین احادیث کے اوہام کا ازالہ)	جناب مولوی خورشید احمد صاحب شاد پروفیسر جامعہ نصرت ربوہ	۳۳
۱۱	سات آسمان اور زمین	جناب چودھری محمد عبداللہ صاحب	۴۱
۱۲	"اس دور میں" (نظم)	مکرم احمد نذیر احمد صاحب ظفر	۵۰
۱۳	حضرت مسیح ناصری کے حواری ہیوا تو کی سلسلہ میں آمد	جناب شیخ عبدالقادر صاحب لائلپور	۵۲
۱۴	علماء کو ہندوستانی مسلمانوں کے حقوق بتائے جانے پر اعتراض نہیں	علماء کے بیانات	۵۸
۱۵	تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ کی رو سے مسلمان کی تعریف	ایڈیٹر	۵۹
۱۶	قیام امن و استحکام سلطنت کے لئے تخریبی عناصر کو عبرتناک سزا ملنی ضروری ہے۔	جناب چودھری احمد دین صاحب پلیڈر۔ گجرات	۶۵
۱۷	البیانات (قرآن مجید کا سلیس اردو ترجمہ۔ مختصر اور مفید تفسیری حواشی کے ساتھ)	ایڈیٹر	۶۳
۱۸	غیر ملکی طاقتیں جماعت احمدیہ کی مخالفت کی آگ بھڑکا رہی ہیں۔ عراقی اخبار "الانباء" کے مشہور نامہ نگار کا ذاتی تجربہ۔	ایڈیٹر	ضمیمہ ص
۱۹	جلالۃ الملک شاہ حجاز کا اعلان کہ امریکہ سے ہمارے گہرے دوستانہ تعلقات ہیں۔	مکہ معظمہ کے اخبار "آلبلاد السعودیہ" سے ترجمہ	۸۹
۲۰	فلسطین کے متعلق سعودی حکومت کا موقف۔	"	۸۹

(طابع و ناشر ابوالعطاء جالندھری نے ضیاء الاسلام پریس ربوہ سے چھپوا کر دفتر الفرقان احمد نگر ربوہ ضلع جھنگ سے شائع کیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ربیع الاول
ربیع الثانی
۱۳۷۴ھ

الفرقان

نومبر
دسمبر
۱۹۵۴ء

قرآن مجید کے کامل اور زندہ کتاب ہونے پر دو بے نظیر شہادتیں

ہر دعویٰ کی دلیل اور ہر زمانہ میں تازہ ثمرات

(۱)

قرآن مجید نے انسان کی حریتِ فکر کا اعلان کیا اور ہر عقیدہ اور خیال کے منوانے کے لئے صرف دلیل اور برہان کو پیش کرنے کی تلقین کی۔ قرآن مجید جبر اور اکراہ کا مخالف ہے۔ اس کا واضح اعلان ہے لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ[1] کہ دین کے بارے میں کسی قسم کا جبر جائز نہیں۔ قرآن مجید صرف قوتِ اقناع کا قائل ہے۔ وہ خود بھی ہر دعویٰ کی دلیل پیش کرتا ہے اور اپنے مخالفین کو بھی بار بار چیلنج کرتا ہے هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ[2] کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو اپنے دعویٰ کی دلیل پیش کرو۔ یونہی بے دلیل باتیں کرنا عقلمند انسان کے شایانِ شان نہیں۔ قرآن مجید نے باطل اور جھوٹے عقیدہ کی یہ علامت بیان کی ہے کہ اسکے بارے میں کوئی معقول دلیل پیش نہ کی جا سکے ہستی باری تعالےٰ کے منکروں کے متعلق فرماتا ہے حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ[3] یہ لوگ بے دلیل بات کرتے ہیں محض وہم و وسوسہ کا شکار ہیں۔ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ قرآنی معیار کے مطابق مذہبی زندگی دراصل اسی فرد اور اسی جماعت کو حاصل ہے جن کے پاس اپنے عقائد کے دلائل موجود ہیں۔ جو لوگ بے دلیل محض باپ دادا کی تقلید کی بنا پر اپنے عقائد پر جمے بیٹھے ہیں قرآن کریم انہیں روحانی زندگی سے محروم قرار دیتا ہے۔ فرمایا لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ[4] کہ زندگی اسی کی ہے جسے دلیل حاصل ہے۔ وہ تو مردہ ہے جو دلیل سے بے نصیب ہے۔

قرآن مجید نے اپنے متعلق یہ دعویٰ فرمایا ہے کہ یہ

[1] بقرہ: ۲۵۶ – [2] بقرہ: ۱۱۱ – [3] الشوریٰ: ۱۶ – [4] الانفال: ۴۲

اپنے ہر دعویٰ پر دلیل پیش کرتا ہوں اور میں نے کوئی ایسا دعویٰ نہیں کیا جس کی صحت پر میں نے عقلی اور فطری دلائل پیش نہ کیے ہوں۔ فرمایا۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى [1] کہ یہ قرآن جو رمضان کے بابرکت مہینے میں نازل ہوا ہے اس میں ہر پہلو سے کامل ہدایت موجود ہے اور یہ اپنے ہر بیان اور دعویٰ پر بیّنات و دلائل پیش کرتا ہے اور حق و باطل میں واضح فرق کرتا ہے۔

قرآن مجید سے پہلے نازل ہونیوالی کسی الہامی کتاب میں یہ خوبی موجود نہیں ہے۔ عام طور پر ان کتب میں دعاوی اور بیانات تو پائے جاتے ہیں مگر یہ اسلوب کہ ہر دعویٰ کے لئے دلیل اور برہان پیش کی جائے ان کتب میں نہیں پایا جاتا۔ لیکن یاد رہے کہ یہ امر ان کتابوں کے منجانب اللہ ہونے کے منافی نہیں اور اس سے ان کی ذاتی اہمیت میں فرق نہیں آتا کیونکہ ان کتابوں کے تدوین کے زمانہ کا تقاضا تھا کہ انہیں اسی طرح نازل کیا جاتا۔ وہ انسانیت کے ارتقار کی ابتدائی منازل میں نازل ہوئی تھیں اور ایک محدود زمانہ اور مخصوص قوم تک ان کا دائرہ تھا۔ وہ ہمیشہ کے لئے زندہ رہنے والی کتابیں نہ تھیں اسلئے ان میں اگر یہ کامل اور جامع اسلوب بیان اختیار نہ کیا گیا تو اس میں کوئی حرج نہ تھا۔ مگر قرآن مجید ایک کامل اور جامع شریعت ہے۔ وہ اپنے روز اوّل سے ہی تمام قوموں اور انسانوں کے لئے ہدایت نامہ ہے اور اسکا دائرہ تمام زمانوں پر حاوی ہے اسلئے اس کے لئے ضروری تھا کہ اپنے ہر دعویٰ پر دلیل دیتا اور اپنے ہر بیان پر بیّنہ پیش کرتا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا ہے۔ قرآن مجید کی یہ ایک بے نظیر خوبی ہے کہ اسنے اپنے سب دعووں پر معقول دلائل پیش کئے ہیں اور بیانات کے منوانے کے لئے دلیل و برہان کو ذریعہ بنایا ہے۔ قرآن پاک کی اس بے مثل فضیلت کا ایک امتحان تو ۱۸۹۳ء میں ہو چکا ہے جب کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے امرتسر میں عیسائیوں سے مشہور مباحثہ (جو بعد از اں جنگ مقدس کے نام سے شائع ہوا ہے) کیا اور اس لمبے مباحثہ میں اپنے اس بیان کی پابندی فرمائی کہ:۔

> "لازم اور ضروری ہوگا کہ جو دعویٰ کریں وہ دعویٰ اس الہامی کتاب کے حوالہ سے کیا جاوے جو الہامی قرار دی گئی ہے اور جو دلیل پیش کریں وہ دلیل بھی اسی کتاب کے حوالہ سے ہو۔ کیونکہ یہ بات بالکل سچی اور کامل کتاب کی شان سے بعید ہے کہ اس کی وکالت اپنے تمام ساختہ پرداختہ سے کوئی دوسرا شخص کرے اور وہ کتاب بکلی خاموش اور ساکت ہو" (صہ۳)

آپؑ تمام مباحثہ میں ہر دعویٰ اور ہر عقلی دلیل قرآنجید سے پیش فرمائی۔ آپ نے بالمقابل عیسائی مناظرین سے بھی یہی مطالبہ کیا کہ وہ بھی اپنا ہر دعویٰ اور ہر دلیل انجیل سے پیش کریں مگر عیسائی صاحبان اس پابندی کو ہرگز پورا نہ کر سکے۔ اس سے ظاہر ہوگیا کہ درحقیقت قرآن مجید ہی وہ کتاب ہے جسے یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ اپنا دعویٰ بھی خود پیش کرتا ہے اور اپنے دعویٰ پر عقلی دلائل بھی خود بیان کرتا ہے۔ وہ اِس بات کا محتاج نہیں کہ لوگ اس کی سچائی کو ثابت کرنے کے لئے دلائل اپنے پاس سے اختراع کریں۔

قرآن مجید کی اس فضیلت کا ایک امتحان تو ۱۸۹۳ء میں مقابلہ سے ہوگیا اور دوسرا امتحان ہر وقت ہوسکتا ہے۔ یوں تو احمدیت کا سارا لٹریچر ہی اسی بنیاد پر قائم ہے کہ قرآن مجید کا ہر دعویٰ اس کی پیش کردہ عقلی دلیل سے

---

[1] بقرہ : ۱۸۵

ثابت ہے۔ لیکن اگر کوئی غیر مسلم، عیسائی یا آریہ وغیرہ اس میدان میں اپنی الہامی کتاب کا قرآن مجید سے مقابلہ کر کے قرآن مجید کی برتری کو آزمانا چاہے تو جماعت احمدیہ ہر وقت اس امتحان کے لئے تیار ہے۔

(۴)

قرآن مجید نے زندہ اور دائمی کلام الٰہی کی علامت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ ہر زمانہ میں اپنے تازہ اور شیریں پھل پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً
طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا
ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ تُؤْتِيْٓ
اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا
وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ
لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ (ابراہیم: ۲۵)

ترجمہ:- "کیا تم نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام کی مثال اس پاکیزہ درخت سے بیان کی ہے جس کی جڑیں مضبوطی سے ثابت ہیں جس کی شاخیں بلندی میں آسمانوں تک جاتی ہیں اور جو اپنے رب کے اذن سے ہر زمانہ میں اپنے تازہ پھل دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے یہ مثالیں اسلئے بیان فرماتا ہے تا وہ نصیحت حاصل کریں۔"

اس آیت میں قرآن مجید کی یہ امتیازی شان بیان کی گئی ہے کہ اس کے تازہ پھل ہر زمانہ میں ظاہر ہوتے ہیں اور وہ اپنی زندگی اور تازگی پر ہر زمانہ میں برہان قائم کرتا ہے۔

واقعاتی شہادت یہ ہے کہ اسلام میں ہر زمانہ میں ایسے لوگ موجود رہے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا الہام نازل ہوتا رہا اور جنہیں مکالمہ اور مخاطبہ کا شرف حاصل رہا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ
اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ
الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا
تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ
الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ
اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَفِي الْاٰخِرَةِ ۱؎

ترجمہ:- "کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مانتے ہیں اُن پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور انہیں کہتے ہیں کہ تم خوف اور حزن نہ کرو بلکہ موعودہ جنت کی خوشخبری حاصل کرو۔ ہم اس ورلی زندگی میں بھی تمہارے دوست ہیں اور آخرت میں بھی۔"

قرآن مجید نے اپنے پاکیزہ درخت کا پھل ایسے ہی مقدسوں کو قرار دیا ہے جنہیں نعمت مکالمہ و مخاطبہ حاصل ہے اور جو فرشتوں سے ہم کلام ہوتے ہیں۔ اسلام کے رُو سے کامل کتاب قرآن مجید کی صداقت کا یہ زبردست زندہ نشان ہے کہ قرآن پاک کے سچے متبعین اس نعمت سے وافر حصہ پاتے ہیں۔ اور ایسے زندہ گواہ ہر زمانے میں موجود رہے ہیں۔ یہ امتیاز صرف اسلام کو حاصل ہے۔

موجودہ زمانہ میں جبکہ مذاہب کے پیروؤں کی حالت بہت خراب ہو چکی ہے اور وہ روحانیت سے بہت دُور جا چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے اس امتیاز کو قائم رکھا ہے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:-

(الف) "ایک عظیم الشان معجزہ آنحضرت

۱؎ فصلت: ۳۰-۳۱

صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ہے کہ تمام نبیوں کی وحی منقطع ہو گئی اور معجزات نابود ہو گئے اور ان کی اُمّت خالی اور تہی دست ہے۔ صرف قصّے اُن لوگوں کے ہاتھ میں رہ گئے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی منقطع نہیں ہوئی اور نہ معجزات منقطع ہوئے۔ بلکہ ہمیشہ بذریعہ کاملین اُمّت جو شرفِ اتباع سے مشرف ہیں ظہور میں آتے ہیں۔ اِسی وجہ سے مذہب اسلام ایک زندہ مذہب ہے اور اس کا خدا زندہ خدا ہے۔ چنانچہ اس زمانہ میں بھی اس شہادت کے پیش کرنے کے لئے یہی بندہ حضرت عزّت موجود ہے۔" (چشمہ مسیحی صفحہ ۱۳)

(ب) "تیسری نشانی جو اللہ تعالےٰ نے یہ فرمائی تُؤْتِیْ اُکُلَہَا کُلَّ حِیْنٍ یعنی کامل کتاب کی ایک یہ بھی نشانی ہے کہ جس پھل کا وہ وعدہ کرتی ہے وہ صرف وعدہ ہی وعدہ نہ ہو بلکہ وہ پھل ہمیشہ اور ہر وقت میں دیتی رہے۔ اور پھل سے مراد اللہ جلّ شانہٗ نے اپنا لقاء مع اس کے تمام لوازم کے جو برکات سماوی اور مکالماتِ الٰہیہ اور ہر ایک قسم کی قبولیتیں اور خوارق ہیں رکھی ہے۔" (جنگِ مقدس صفحہ ۲۵ مئی ۱۸۹۳ء)

(ج) "یہ نعمت نہایت ہی نادر الوقوع اور خوش قسمتوں کی بات ہے۔ جن کو ملی اس کے بعد جو کچھ ہے وہ ہیچ ہے۔ اس مرتبہ اور اس مقام کے لوگ اسلام میں ہمیشہ ہوتے رہے ہیں۔ اور ایک اسلام ہی ہے جس میں خدا بندہ سے قریب ہو کر اس سے باتیں کرتا ہے اور اس کے اندر بولتا ہے۔ وہ اس کے دل میں اپنا تخت بناتا اور اس کے اندر سے اسے آسمان کی طرف کھینچتا ہے اور اس کو وہ سب نعمتیں عطا فرماتا ہے جو پہلوں کو دی گئیں۔ افسوس اندھی دنیا نہیں جانتی کہ انسان نزدیک ہوتا ہوتا کہاں تک پہنچ جاتا ہے۔ وہ آپ تو قدم نہیں اٹھاتے اور جو قدم اٹھائے تو یا تو اس کو کافر ٹھہرایا جاتا ہے اور یا اس کو معبود ٹھہرا کر خدا کی جگہ دی جاتی ہے۔ یہ دونوں ظلم ہیں۔ ایک افراط سے ایک تفریط سے پیدا ہوا مگر عقلمند کو چاہیئے کہ وہ کم ہمت نہ ہو اور اس مقام اور اس مرتبہ کا انکاری نہ رہے اور صاحب اس مرتبہ کی کسرِ شان نہ کرے اور نہ اس کی پوجا شروع کر دے۔ اِس مرتبہ پر خدا تعالےٰ وہ تعلقات اس بندہ سے ظاہر کرتا ہے کہ گویا اپنی الوہیت کی چادر اس پر ڈال دیتا ہے۔ اور ایسا شخص خدا کے دیکھنے کا آئینہ بن جاتا ہے۔ یہی بھید ہے جو ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مجھے دیکھا اس نے خدا کو دیکھ لیا۔ غرض یہ بندوں کے لئے انتہائی تنبیہہ ہے اور اس پر تمام سلوک ختم ہو جاتے ہیں اور پوری تسلی ملتی ہے۔ میں بنی نوع پر ظلم کروں گا اگر میں اِس وقت ظاہر نہ کروں کہ وہ مقام جس کی میں نے

یہ تعریفیں کی ہیں اور وہ مرتبہ مکالمہ اور مخاطبہ کا جس کی میں نے اس وقت تفصیل بیان کی وہ خدا کی عنایت نے مجھے عنایت فرمایا ہے تا میں اندھوں کو بینائی بخشوں اور ڈھونڈنے والوں کو اس گمشدہ کا پتہ بتا دوں اور سچائی قبول کرنیوالوں کو اس پاک چشمہ کی خوشخبری سُناؤں جس کا تذکرہ بہتوں میں ہے اور پانے والے تھوڑے ہیں۔ میں سامعین کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ خدا جس کے ملنے میں انسان کی نجات اور دائمی خوشحالی ہے وہ بجز قرآن کی پیروی کے ہرگز نہیں مل سکتا۔ کاش جو میں نے دیکھا ہے لوگ دیکھیں اور جو میں نے سُنا ہے وہ سُنیں۔ اور قصوں کو چھوڑ دیں اور حقیقت کی طرف دَوڑیں۔"

(اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ ۱۲۱-۱۲۲)

تمام مذاہب کے سچے پیروؤں کے لئے خوشی کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کے دروازے کھلے رکھے ہیں اور اہلِ اسلام کے لئے انتہائی فخر کا مقام ہے کہ یہ فضل آج بھی اسلام اور قرآن مجید کے ذریعہ سے مل سکتا ہے۔

ان دو بے نظیر نشانوں سے ثابت ہے۔ کہ قرآن مجید کو بے مثال فضیلت حاصل ہے قرآن مجید ہی زندہ اور دائمی شریعت ہے۔ وہی ہے جس نے اپنے ہر دعویٰ کی عقلی دلیل پیش کی ہے اور وہی ہے جس کے زندہ گواہ ہر زمانے میں شرفِ مکالمہ الٰہیہ پا کر گواہی دیتے رہے ہیں اور آج بھی موجود ہیں۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن۔

شریعتِ قرآن مجید اور بہائیت

بابی اور بہائی لوگ قرآن پاک کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔ اور اس کی بجائے بابی شریعت البیان اور بہائی شریعت الاقدس کو مانتے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ ان کے نزدیک قرآنی شریعت کو کس لئے منسوخ ٹھہرایا گیا۔ کیا قرآن مجید ناقص تھا یا اس کی شریعت اس زمانہ کے لئے ناکافی تھی؟ جناب بہاء اللہ کے ذیل کے دو حوالے ملاحظہ فرمائیں:۔

۱۔ "اگر اعتراض و اعراض اہل فرقان نبود ہر آئینہ شریعتِ فرقان درایں ظہور نسخ نمے شد"[1]

کہ اگر مسلمان اعتراض نہ کرتے اور انکی طرف سے اعراض نہ ہوتا تو بابی اور بہائی لوگ قرآن مجید کی شریعت کو ہرگز منسوخ قرار نہ دیتے۔" گویا قرآن مجید کو منسوخ ٹھہرانا محض ایک انتقامی کارروائی ہے۔

۲۔ "اگر اہل توحید در اعصار اخیرہ بشریعت غرا بعد از حضرت خاتم رسل بسیاہ فرداہ عمل مے نمودند و بذیل تشبث، بنیان ارکان متزلزل نمے شد و مدائن معمورہ خراب نمے گشت بلکہ مدن و قریٰ بطراز امن و امان مزین و فائز"[2]

کیا یہ قرآن مجید کے کامل شریعت ہونے کا واضح اعتراف نہیں؟

---

[1] اقتدار ص [illegible] [2] مقالۂ سیاح مع اردو ترجمہ ص [illegible]

قرآن مجید کی اشاعت کا جذبہ!

(از کلام حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام)

دردا کہ حُسنِ صورتِ فرقاں عیاں نماند
آں خود عیاں مگر اثرِ عارفاں نماند

مردم طلب کنند کہ اعجازِ آں کجاست
صد درد و صد دریغ کہ اعجازداں نماند

کوریم و از کمال تغافل بچشم ما
آں لُوئے خوب و گیسوئے عنبرفشاں نماند

بینم کہ ہر یکے غمِ نفس مبتلا است
کس را غمِ اشاعتِ فرقاں بجاں نماند

یوسف شنیدہ ام کہ شدش کارواں معیں
ایں یوسفے کہ ہیچ کَشش کارواں نماند

جانم کباب شد زغمِ ایں کتابِ پاک
چنداں بسوختم کہ خود امیدِ جاں نماند

دوش اندکہ مرا بجیا لے شکیب بود
امشب مپرس حال کہ تاب و تواں نماند

اے سیّدا لوریٰ مددے وقتِ نصرت است
در بوستاں سرائے تو کس باغباں نماند

صد بار رقص ہا کنم از خُرمی اگر
بینم کہ حسن دلکش فرقاں نہاں نماند

در رنج و درد مے گذرانیم روزگار
یارب ترحمیکہ دگر مہرباں نماند

یارب چہ بہرِ من غمِ فرقاں مقدر است
یا خود دریں زمانہ کسے رازداں نماند

دیدم کہ زاہداں رہِ فرقاں گذاشتند
ناچار درد لم اثرِ مہرِ شاں نماند

اے خواجہ بیخبر ز بود لطفِ زندگی
کس از پئے مدام دریں خاکداں نماند

امروز گر دل از پئے قرآں نسوزدت
عذرِ دگر ترا بجناب یگاں نماند

بگذار درد مثنوی و شغلِ غزل و شعر
ایں خود چہ چیز ہست اگر قدرِ آں نماند

در خادماں نشینی و صد نازمے کنی
آنرا کہ سیّد است کس از خادماں نماند

خلق از برائے شوکتِ دُنیا چہا کنند
دردا کہ مہر کعبہ چو مہرِ بُتاں نماند

اے بے خبر بخدمتِ فرقاں کمر بہ بند
زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

قرآن مجید کا مُلکی قانون اور اسکی وسعت

(از جناب مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی)

جزئیات اور جزئیات در جزئیات تو ہر ملک اور ہر زمانہ میں مکان و زمان کے خصوصیات اور مصالح کے لحاظ سے خود ہی سیکڑوں کی تعداد میں بدلتے اور نئے نئے وضع ہوتے رہیں گے۔ اور ان کی ذمہ داری صرف اہل حل و عقد کی فہم و بصیرت اور مقتضیات وقت پر ہوگی۔ لازمی شرط صرف یہ ہے کہ کوئی قانون، کسی قانون کی کوئی دفعہ قرآن مجید کے منافی نہ ہونے پائے ——— ہر شے کا قرآن کے موافق و ماتحت ہونا اور کسی شے کا قرآن کے مخالف و معارض نہ ہونا یہ دو شے بالکل الگ ہیں، ہرگز ایک دوسرے کے مرادف نہیں۔ اور ان دو کے درمیان غلط بحث اگر کسی نے پیدا کیا ہے تو بعض قدیم و جدید خارجی جماعتوں نے نہ کہ جمہور اہل شریعت نے۔ جب صاحب وحی تک آزاد و خود مختار تھے کہ جو تدبیر جہاں سے چاہیں اخذ کرلیں تو امت کے اہل حل و عقد کا ذکر ہی کیا ہے ——— لازمی شرط وہی یاد رہے کہ کسی نئے قانون، کسی نئی دفعہ قانون کا تصادم کسی حال میں نص قرآنی سے نہ ہونے پائے۔

قرآن (نعوذ باللہ) کوئی گھبرانے ڈرنے سہمنے کی چیز نہیں بڑے زبردست سہارے کی چیز ہے۔ اور یہ بات محض خوش عقیدگی سے نہیں کہہ دی گئی۔ قرآن کی سیاسی رہنمائی تو بارہا تجربہ میں آچکی ہے اور تاریخ کے صفحات پر اسکی گواہی بڑی صفائی اور قطعیت کے ساتھ ثبت ہے۔ محمد رسول اللہ نے اسی کو بنیاد قرار دیکر ۶۲۲ء سے ۶۳۲ء تک حکمرانی کی۔ بڑے بڑے مضبوط قلعے فتح کئے۔ اپنے سے کہیں بڑی اور کہیں زیادہ طاقتور فوجوں کو شکست دی۔ معاہدے کئے، صلحنامے مرتب کئے۔ ہر قسم کا ملکی، مالی نظم و نسق قائم کیا۔ عدل بے نظیر کی نظیر قائم کی اور اس حکومت کا رقبہ کسی گاؤں قصبہ یا چھوٹے سے شہر تک محدود نہ تھا۔ آخر آخر ۱۰ لاکھ میل مربع تک وسیع ہوگیا تھا اور جسمیں نجد کا ملک بھی شامل تھا اور حجاز کا بھی اور یمن کا بھی۔ پھر آپ کے بعد اسی قرآنی رہنمائی میں حکمرانی ابوبکر صدیق (۶۳۲ء تا ۶۳۴ء) نے کی جب رقبہ حکومت ملک عرب سے گزر کر عراق اور جنوبی شام میں ۱۲ لاکھ مربع میل تک وسیع ہوچکا تھا اور وقت کی ایک طاقتور ترین سلطنت روم سے ٹکر لینے کی ہمت کی۔ پھر یہی قرآنی حکمرانی خلیفہ دوم عمر فاروق (۶۳۴ء تا ۶۴۴ء) کے حصہ میں آئی۔ جب فتح پر فتح حاصل ہوتی رہی وقت کی دوسری طاقتور ترین سلطنت ایران کو بھی شکست ہوکر رہی اور رقبہ حکومت حجاز، نجد، یمن، عراق، ایران، شام، شمالی و جنوبی مصر، طرابلس وغیرہ پر چھا کر ۲۷ لاکھ مربع میل ہوکر رہا۔ یہ بادشاہت نہ تھی پوری شہنشاہی تھی اور اسکی عدل گستری، رعایا پروری و حسن انتظام نے نوشیروان عادل کی یاد ہی دلوں سے بھلا دی۔ اسکے بعد یہی نظام قرآنی درجہ بدرجہ عثمان غنی (۶۴۴ء تا ۶۵۶ء) علی مرتضیٰ (۶۵۶ء تا ۶۶۱ء) حسن بن علی (۶۶۱ء تا ۶۶۳ء) تک منتقل ہوتا رہا۔ اور اب اس حکومت قرآنی کے حدود افریقہ مشرقی و مغربی اور جزائر بحر روم تک وسیع ہوکر ۳۰ لاکھ مربع میل تک پہنچ چکے تھے اور پھر اس سارے دور سعادت کے ختم ہونے پر ایک بار پھر یہی نمونہ کوئی نصف صدی بعد اموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیز (۷۱۷ء تا ۷۲۰ء) کے عہد میں دیکھنے میں آیا، جب یہ شہنشاہی اس سے بھی کہیں زیادہ وسیع ہوچکی تھی اور افغانستان، خراسان، کردستان، ترکستان بلکہ اسپین کے بھی حصے اس میں شامل ہوچکے تھے ——— جو کتاب اعظم اتنی عظیم الشان شہنشاہی کی رہنمائی کے اصل و ماخذ کا کام دے چکی ہے کیا آج وہ ایک معمولی سی سلطنت کے لئے بھی کافی نہیں ہوسکتی؟ (صدق جدید ۱۰ دسمبر ۵۲ء)

امکانِ نبوت کے تین دلائل

پر

مدیر ترجمان القرآن کے عذرات اور اُن کا ازالہ

ایک خط اسلامی جماعت کے ماہنامہ ترجمان القرآن بابت ماہ نومبر سنہ ۵۲ء میں کسی غیر احمدی دوست کا ذیل کا خط شائع ہوا ہے :-

"قادیانی حضرات قرآن کی بعض آیات اور بعض احادیث سے بھی ختم نبوت کے خلاف دلائل فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً وہ سورۂ اعراف کی آیت یَا بَنِیۡۤ اٰدَمَ اِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ ..... کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ قرآن کے نزول اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اِس آیت کا خطاب اُمت محمدیہ سے ہی ہو سکتا ہے۔ یہاں بنی آدم سے مراد یہی اُمت ہے اور اسی اُمت کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ "اگر کبھی تمہارے پاس تم ہی سے رسول آئیں ..... اس سے قادیانیوں کے بقول نہ صرف اُمتی انبیاء بلکہ اُمتی رسولوں کا آنا ثابت ہوتا ہے۔ دوسری آیت سورۂ مومنون کی ہے جس میں آغاز یَا اَیُّهَا الرُّسُلُ سے ہوتا ہے۔ اس سے بھی ان کے نزدیک رسولوں کی آمد ثابت ہوتی ہے۔ اِسی طرح قادیانی حدیث "لو عاش ابراھیم لکان نبیاً" (اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم زندہ رہتے تو نبی ہوتے) سے بھی امکانِ نبوت کے حق میں استدلال کرتے ہیں۔ براہِ کرم اِن دلائل کی حقیقت واضح فرما دیں۔"

(ترجمان القرآن نومبر سنہ ۵۲ء صفحہ ۱۴۲)

عبارتِ خط اور طرزِ استدلال سے ظاہر ہے کہ نویسندۂ خط نے جماعت احمدیہ کی طرف سے بیان کردہ استدلال کے پیش کرنے میں پورے انصاف سے کام نہیں لیا۔

آیت اِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ کے متعلق عذر

فاضل ایڈیٹر صاحب نے آیت اِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ کے متعلق تحریر فرمایا ہے :-

"سورۂ اعراف میں یہ آیت دراصل قصۂ آدمؑ و حوا کے سلسلے میں آئی ہے جو رکوع دوم کے آغاز سے رکوع چہارم کے وسط تک مسلسل بیان ہوا ہے۔ پہلے رکوع دوم میں پورا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ پھر رکوع سوم و چہارم میں ان نتائج پر تبصرہ کیا گیا ہے جو اس قصے سے نکلتے ہیں۔ اِس سیاق و سباق میں رکھ کر آیت

کو پڑھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ
یَا بَنِیْٓ اٰدَمَ کے الفاظ سے مخاطب کر کے
ہدایات کہی گئی ہے اس کا تعلق آغاز آفرینش
کے وقت سے ہے نہ کہ نزولِ قرآن کے
وقت سے۔"

اِس اقتباس سے عیاں ہے کہ آیت کے ترجمہ اور تفسیر میں کوئی اختلاف نہیں ہے آیت کا متفق علیہ مفہوم یہی ہے کہ:۔

"اے اولاد آدم کی! اگر تمہارے پاس
پیغمبر آویں جو تم میں سے ہوں گے جو میرے
احکام تم سے بیان کریں گے سو جو شخص
پرہیز رکھے اور درستی کرے سو ان لوگوں
پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے۔"
(ترجمہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی)

اختلاف صرف اِس بارے میں ہے کہ آیت میں لفظ یَا بَنِیْٓ اٰدَمَ سے کون مراد ہے؟ آیا اس سے مراد صرف وہ لوگ ہیں جو حضرت آدم کے وقت میں ان کی اولاد میں سے موجود تھے یا اس لفظ میں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک کے لوگ شامل ہیں اور بعد کے لوگ شامل نہیں اور یا یہ لفظ عام ہے اور اس میں آدم علیہ السلام کی ساری اولاد تا قیامت مخاطب ہے اور سبھی شامل ہیں۔

پہلا احتمال کہ صرف آدم علیہ السلام کے وقت کے لوگ مخاطب تھے فریقین کو مسلم نہیں۔ دونو کے نزدیک یَا بَنِیْٓ اٰدَمَ کے لفظ میں وسعت موجود ہے۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ غیر احمدی صاحبان لفظ "یَا بَنِیْٓ اٰدَمَ" کی وسعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک تو مانتے ہیں مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد قیامت تک کے انسانوں کو اس بنی آدم میں نہیں سمجھتے۔ جماعت احمدیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ یَا بَنِیْٓ اٰدَمَ کا خطاب عام ہے اور آئیں حضرت آدم علیہ السلام کی ساری اولاد تا ابتداء تا انتہاء مخاطب ہے اور سب کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر تمہارے پاس میرے رسول آئیں تو اُن پر ایمان لانا کیونکہ تقوےٰ کرنے والے اور ایمان لانے والے ہی نجات پائیں گے۔

مدیر ترجمان القرآن فرماتے ہیں کہ "سیاق سباق" کے لحاظ سے یَا بَنِیْٓ اٰدَمَ سے مخاطب صرف وہ لوگ ثابت ہوتے ہیں جو آغاز آفرینش کے وقت تھے نزولِ قرآن کے وقت کے لوگ مخاطب نہ تھے۔ مگر ہم پورے زور سے کہتے ہیں کہ جناب مدیر صاحب کا یہ خیال درست نہیں۔ ہمیں یہ مسلّم ہے کہ آغاز آفرینش والے لوگ بھی مخاطب تھے مگر ساتھ ہی ہمارا یہ بھی دعویٰ ہے کہ اس خطاب میں نزولِ قرآن کے وقت کے لوگ بھی مخاطب ہیں۔ مدیر ترجمان القرآن نے یَا بَنِیْٓ اٰدَمَ کی عمومیت کو محدود کرنے کے لئے سیاق و سباق کے خیال کے سوا کوئی دلیل نہیں دی۔ آئیے! ہم اس "دلیل" کا جائزہ لیں۔

یَا بَنِیْٓ اٰدَمَ کے استعمال میں اسلوب قرآن

قرآن مجید میں بَنِیْٓ اٰدَمَ کا لفظ سات مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ دو جگہ ان کا غائبانہ ذکر ہوا ہے اور پانچ جگہ یَا بَنِیْٓ اٰدَمَ کہہ کر انہیں مخاطب کر کے حکم دیا گیا ہے۔ غائبانہ ذکر والی یہ دو آیتیں ہیں:۔

(۱) وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ
فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ
الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِیْرٍ
مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا ؀

(سورہ بنی اسرائیل: ۷۰)

ترجمہ:۔ ہم نے اولادِ آدم کو عزّت بخشی۔ انہیں خشکی و تری کے لئے سواریاں دیں اور پاکیزہ رزق عطا کئے

اور باقی بہت سی مخلوق سے انہیں اشرف و افضل بنایا۔

(۲) وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيٓ اٰدَمَ
مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ
عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ
قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ۔

(الاعراف ۱۷۲)

ترجمہ:۔ یاد کرو جب تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو لیکر (عالم مثال میں) انہیں ان کی اپنی جانوں پر گواہ بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا کہ ہاں تو ہمارا رب ہے ہم اسکے گواہ ہیں۔ یہ واقعہ اسلئے ہوا تا تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکو کہ ہم اس حقیقت سے غافل تھے۔"

ان دو مذکورہ بالا آیات میں بھی بنی آدم کا لفظ اپنی عمومیت پر ہے۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو ان میں اللہ تعالیٰ نے موجودہ بنی آدم کو ہی اپنے احسانات اور ان کی فطرت کی گواہی کی طرف توجہ دلانے کیلئے "بنی آدم" کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

وہ پانچ آیات جن میں اللہ تعالیٰ نے بصیغہ خطاب "یا بنی آدم" کا استعمال فرمایا ہے حسب ذیل ہیں:۔

(۱) يٰبَنِيٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا
يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا وَلِبَاسُ
التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ذٰلِكَ مِنْ
اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝

(اعراف ۲۶)

ترجمہ:۔ اے فرزندان آدم! ہم نے تم پر لباس نازل کیا جو تمہارے ستر کو ڈھانپتا ہے اور باعث زینت کپڑے عنایت کئے۔ تقویٰ کا روحانی لباس بہتر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے نشانوں میں سے ہے تا یہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔"

(۲) اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيٓ اٰدَمَ
اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ
عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (یٰس ۶۰)

ترجمہ:۔ اے فرزندان آدم! کیا میں نے تمہیں تاکیداً نہیں کہا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تمہارا خطرناک دشمن ہے۔"

(۳) يٰبَنِيٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ
كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ

(اعراف ۲۷)

ترجمہ:۔ اے فرزندان آدم! شیطان تمہیں اسی طرح دکھ اور فتنہ میں مبتلا نہ کرے جس طرح اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکلوا دیا تھا۔"

(۴) يٰبَنِيٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ
كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا
وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝

(اعراف ۳۱)

ترجمہ:۔ اے فرزندان آدم! ہر مسجد میں آتے وقت زینت اختیار کرو۔ کھاؤ اور پیو مگر حد سے مت بڑھو۔ اسراف نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

(۵) يٰبَنِيٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ
مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ
اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (اعراف ۳۵)

ترجمہ:۔ اے فرزندان آدم! اگر تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں جو تمہیں میرے احکام سے آگاہ کریں تو یاد رکھو کہ جو تقویٰ اختیار کریں گے اور اصلاح کو

شعار بنائیں گے ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے"

ان پانچ آیات پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ ان سب میں "یَا بَنِیْٓ اٰدَمَ" کہہ کر اللہ تعالیٰ نے درحقیقت موجودہ زمانہ کے لوگوں کو مخاطب فرمایا ہے۔ لفظ کے عموم کی وجہ سے بلاشبہ پہلے لوگ بھی اس میں شامل ہیں مگر آیات کا سیاق و سباق بتا رہا ہے کہ اصل مخاطب ان آیات میں نزولِ قرآن کے وقت کے لوگ ہیں۔ پہلے چار مقامات پر یَا بَنِیْٓ اٰدَمَ کے خطاب کا نزولِ قرآن کے وقت کے لوگوں سے ہونا مدیر ترجمان القرآن کو بھی مسلّم ہے۔ انہیں صرف آخری (پانچویں) مقام پر "یَا بَنِیْٓ اٰدَمَ" کا خطاب نزولِ قرآن کے بعد کے لوگوں سے ہونے پر انکار ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ انکار محض اپنے "خیال" کی بنا پر ہے۔ یقیناً وہ لوگ غلطی کرتے ہیں جو آیاتِ قرآنیہ کو اپنے خیالات کے تابع کرتے ہیں۔ اصل مسلک یہ ہے کہ جملہ خیالات و عقائد قرآن مجید کی آیات کے تابع ہیں۔ مفسرین نے ان آیات میں سے بعض کے شانِ نزول کے ذکر میں صاف صاف لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کے لوگوں کو یہ ہدایات دی گئی ہیں۔ چنانچہ اصح المطابع دہلی کے شائع کردہ قرآن مجید بہ ترجمہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی کے حاشیہ پر بحوالہ تفسیر ابن کثیر آیت یَا بَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ کے متعلق لکھا ہے:۔

"ابن عباسؓ نے کہا ہے۔ لوگ بیت اللہ کا طواف ننگے کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے حکم زینت کا فرمایا یعنی پوشاک کا جو ستر کو ڈھانکے۔ آیت دلیل ہے وجوب سترِ عورت پر نماز میں۔ یہی مذہب ہے جمہور کا۔ بلکہ ہر حال میں نزدیک اہلِ علم کے چھپانا ستر کا فرض ہے۔ ابن کثیر" (صـــ۱۵۵)

قرآن مجید کی واضح تصریح

مدیر ترجمان القرآن کہتے ہیں کہ یَا بَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ کا خطاب نزولِ قرآن کریم کے وقت کے لوگوں سے نہیں ہے یہ صرف آغازِ آفرینش کے وقت کے لوگوں سے تھا۔ ہم نے سیاق و سباق اور موقع اور مضمون کے لحاظ سے بتایا ہے کہ اس جگہ یَا بَنِیْٓ اٰدَمَ کا خطاب نزولِ قرآن کے وقت کے لوگوں سے بہرحال ہے۔ کم از کم وہ اس میں اوّلین مخاطب ضرور ہیں۔ اب ہم جناب مدیر صاحب کے سامنے خدا تعالیٰ کی واضح تصریح پیش کرتے ہیں جس سے بالکل متعین ہوجاتا ہے کہ آیت یَا بَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ کا خطاب نزولِ قرآن کے وقت اور اس کے بعد کے لوگوں سے بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الانعام میں فرماتا ہے:۔

یَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ وَیُنْذِرُوْنَکُمْ لِقَآءَ یَوْمِکُمْ هٰذَا قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓی اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِیْنَ ۝ (الانعام: ۱۳۰)

ترجمہ:۔ اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! کیا تمہارے پاس میری طرف سے تم میں سے رسول نہ آتے رہے جو تم کو میرے احکام سے آگاہ کرتے تھے اور آج کے دن (قیامت) کی ملاقات سے ڈراتے تھے؟ سب کہیں گے کہ ہم اپنے آپ کے خلاف خود گواہ ہیں۔

ان لوگوں کو دنیاوی زندگی نے مغالطہ میں رکھا اور انہوں نے اپنے خلاف اقرار کیا کہ وہ واقعی کافر تھے۔"

دیکھئے کتنی واضح اور صاف تصریح ہے کہ قیامت کے دن تک کے تمام آدمزاد، اعتراف کریں گے کہ ہمارے پاس رسول آتے رہے ہم ہی مجرم تھے۔ اللہ تعالیٰ بھی قیامت کے دن تمام انسانوں سے دریافت فرمائے گا اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ۔ گویا بالفاظِ دیگر یہ پوچھے گا کہ میں نے جو فرمایا تھا یَا بَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ اس کے مطابق میرے رسول قیامت تک تمہارے پاس آتے رہے یا نہیں؟ سب لوگ تسلیم کریں گے کہ ہاں قیامت تک رسول آتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یَا بَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ میں ساری نسلِ آدم تا قیامت مخاطب ہے۔ پس یہ آیت امکانِ نبوت پر واضح دلیل ہے۔

دوسری آیت پر مدیر ترجمان القرآن کا عذر

جناب مدیر ترجمان القرآن لکھتے ہیں:۔

(الف) "آیت یَا اَیُّهَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ۝ (سورۃ مومنون آیت نمبر ۵۱۔۵۲) کو بھی اگر اس کے سیاق و سباق سے الگ نہ کیا جائے تو اس سے وہ مطلب نہیں نکالا جا سکتا جو قادیانی حضرات نے نکالا ہے۔ یہ آیت جس سلسلہ کلام میں وارد ہوئی ہے وہ رکوع دوم سے مسلسل چلا آ رہا ہے۔ اس میں حضرت نوح سے لے کر حضرت عیسٰی بن مریم تک مختلف زمانوں کے انبیاء اور ان کی قوموں کا ذکر کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ ہر جگہ اور ہر زمانے میں انبیاء علیہم السلام ایک ہی تعلیم دیتے رہے ہیں، ایک ہی ان سب کا طریقہ رہا ہے اور ایک ہی طرح سے ان سب پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہوتا رہا ہے۔"

(ب) "مطلب یہ ہے کہ ان تمام رسولوں کو جو نوح علیہ السلام کے وقت سے اب تک آئے ہیں اللہ تعالیٰ نے یہی ہدایت فرمائی تھی کہ پاک رزق کھاؤ اور نیک عمل کرو۔"

گویا جناب مدیر ترجمان القرآن کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے "یَا اَیُّهَا الرُّسُلُ" کے ذریعہ صرف حضرت نوح سے لیکر حضرت مسیح تک کے انبیاء کو خطاب فرمایا ہے قرآن مجید میں یہ صرف قصۂ ماضی کا بیان ہے اس خطاب کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بعد کے رسولوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

مفرداتِ راغبؒ کا نہایت قیمتی نیا حوالہ

ہم ذیل میں حضرت امام راغب الاصفہانی کی مشہور لغت قرآن 'المفردات' سے ایک حوالہ پیش کرتے ہیں۔ یہ ایک نیا اور نہایت قیمتی حوالہ ہے۔ حضرت امام راغبؒ فرماتے ہیں:۔

"وقولهٗ یَا اَیُّهَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا قیل عنی به الرسول وصفوة اصحابه فسمّاهم رسلًا لضمّهم الیه کتسمیتهم المهلب واولاده المهالبة۔" (المفردات مطبوعہ مصر صفحہ تحت لفظ رسل)

ترجمہ۔ آیت قرآنی یَا اَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا کے معنوں میں کہا گیا ہے کہ اس جگہ الرُّسُل سے مراد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے برگزیدہ صحابہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ملا کر الرُّسُل کے لفظ سے ذکر کر دیا ہے جس طرح عرب لوگوں نے المھلب اور اس کی اولاد کا نام المھالبۃ رکھ دیا ہے۔"

ہم یہ حوالہ قرآن کریم کی معتبر ترین کتاب لغت سے پیش کرتے ہیں اور درحقیقت آیتِ قرآنی کی یہ ایک لطیف تفسیر ہے۔ اس طرح یا ایھا الرُّسُل کا خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے ہوگا۔ اور جمع کا صیغہ اسلئے رکھا گیا کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی اولاد کو بھی شامل کر لیا گیا ہے جس طرح المھلب کے ساتھ اس کی اولاد شامل ہو کر سب کو المھالبہ کہا جاتا ہے اسی طرح الرسُول (سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ آپ کی روحانی اولاد شامل ہو کر آیت کریمہ میں الرُّسُل کہلائی اور انہیں خطاب کیا گیا کہ یَا اَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا۔ اس تفسیر کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ سورۃ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ کہ اللہ اور اس کے فرشتے النبی (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیجتے ہیں اے مومنو! تم بھی النبی پر درود و سلام بھیجا کرو۔ اس حکم ربانی کی تعمیل کے لئے جب صحابہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے درود بھیجنے کا طریقہ دریافت کیا تو حضور نے انہیں فرمایا کہ یوں کہا کرو:۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

کہ اے خدا! تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر برکات نازل فرما جیسا کہ تو نے حضرت ابراہیمؑ اور ان کی آل پر برکات نازل کی تھیں۔ تو بہت حمد و مجد کا مالک ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے النبی کے لفظ میں "محمد اور آل محمد" کو شامل قرار دیا ہے۔ پھر دوسری آیت وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّھَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا۔ (سورۃ النساء) میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ اور الرسُول (آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کرنیوالے نبی، صدیق، شہید اور صالح کا مرتبہ پانے والے ہیں جو پہلے انبیاء اور صدیقوں اور شہداء اور صالحین کے ہم مرتبہ ہیں۔

اندریں حالات سورۃ مومنون کی آیت یَا اَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ کا یہ نہایت واضح مطلب ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں حضورؐ کے اُمتی نبیوں کو بھی اسلامی شریعت کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے۔ گویا یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی رسولوں کے لئے ویسے ہی ایک حکم ہے جیسا کہ دوسری آیت میں مومنوں کو یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ کہہ کر حکم دیا گیا ہے۔

حدیث نبوی لَوْ عَاشَ اِبْرَاھِیْمُ لَکَانَ نَبِیًّا سے ہمارا استدلال

آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم پر ۵ھ ہجری میں آیت مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ نازل ہوئی۔ اس کے پانچ سال بعد ۱۰ھ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صاحبزادہ ابراہیمؓ چند ماہ کی عمر پا کر فوت ہو گیا۔ اس موقع پر حضورؐ نے فرمایا۔ لو عاش لکان نبیا۔ کہ اگر میرا بیٹا ابراہیمؓ زندہ رہتا تو یہ ضرور نبی بن جاتا۔ ہمارا استدلال اس سے نہیں ہے کہ صاحبزادہ ابراہیمؓ نبی بن گئے تھے یا نہ بنے تھے بلکہ ہمارا استدلال اس سے ہے کہ آیت خاتم النبیین نازل ہو چکی تھی۔ اگر اس آیت کا مطلب یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کا نبی نہیں ہو سکتا تو پھر آپ صاحبزادہ ابراہیمؓ کی وفات پر یوں فرماتے کہ اب تو ابراہیمؓ فوت ہو گیا ہے اگر یہ زندہ بھی رہتا تب بھی ہمہ قابلیت و روحانیت نبی نہ بن سکتا کیونکہ میں خاتم النبیین ہوں۔ لیکن حضورؐ نے یہ نہیں فرمایا بلکہ یوں فرمایا کہ "اگر ابراہیمؓ زندہ رہتا تو ضرور نبی بن جاتا" گویا آپ کا خاتم النبیین ہونا صاحبزادہ ابراہیمؓ کے نبی بننے میں روک نہ تھا۔

لو عاش ابراھیم لکان نبیاً سے استدلال پر مدیر ترجمان القرآن کے عذرات

مدیر ترجمان القرآن لکھتے ہیں:-

"حدیث لو عاش ابراھیم لکان نبیاً سے قادیانی حضرات جو استدلال کرتے ہیں وہ چار وجوہ سے غلط ہے۔ اوّل یہ کہ جس روایت میں اسے خود نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے قول کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے اس کی سند ضعیف ہے اور محدثین میں سے کسی نے بھی اس کو قوی تسلیم نہیں کیا۔ دوم یہ کہ نووی اور ابن عبد البر جیسے اکابر محدثین اس مضمون کو بالکل ناقابلِ اعتبار قرار دیتے ہیں۔۔۔ سوم یہ کہ اکثر روایات میں اسے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بجائے بعض صحابیوں کے قول کی حیثیت سے نقل کیا گیا ہے۔۔۔۔۔۔ چہارم یہ۔۔۔۔۔ یہ بات علمِ حدیث کے مسلّم اصولوں میں سے ہے کہ اگر کبھی ایک روایت سے کوئی ایسا مضمون نکلتا ہو جو بکثرت صحیح احادیث کے خلاف پڑتا ہو تو اُسے قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اب ایک طرف وہ کثیر التعداد صحیح اور قوی السند احادیث ہیں جن میں صاف صاف تصریح کی گئی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے اور دوسری طرف یہ اکیلی روایت ہے جو بابِ نبوت کے کھلے ہونے کا امکان ظاہر کرتی ہے۔ آخر کس طرح جائز ہے کہ اس ایک روایت کے مقابلے میں اُن سب روایتوں کو ساقط کر دیا جائے؟"

عذرِ اوّل و دوم و سوم کا جواب

مدیر موصوف اوّل الذکر تینوں عذر ایک ہی رنگ کے ہیں اسلئے ان کا اکٹھا جواب دیا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ حدیث لو عاش لکان صدیقاً نبیاً صحاح ستہ میں سے سُنن ابن ماجہ میں مروی ہے اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع متصل طور پر پہنچتی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اس کے راوی ہیں۔ جہاں تک حدیث کی صحت کا سوال ہے یہ ہر ایک قسم کے شک و شبہ سے بالا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

"اما صحة الحديث فلا شبهة فيها لانه رواه ابن ماجة وغيره كما ذكره ابن حجر"

کہ امام ابن حجر کے قول کے مطابق صحتِ حدیث تو بلا شبہ مسلّم

ہے کیونکہ ابن ماجہ اور دوسرے لوگوں نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (الشہاب علی البیضاوی جلد ۷ صفحہ ۱)

سند کے ضعیف ہونے کے بارے میں مشہور سُنّی امام حضرت ملّا علی القاریؒ کی تحقیق ذیل قابلِ توجہ ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"واذا اخبر الصادق وثبت عنه النقل الموافق فلا کلام فیه مما ینافیه وقد اخرج ابن ماجة وغیرہ من حدیث ابن عباس قال لمّا مات ابراھیم ابن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال انّ له مرضعاً فی الجنّة ولو عاش لکان صدّیقاً نبیًّا ولو عاش لاعتقت اخواله من القبط وما استرق قبطی الّا انّ فی مسندہ اباشیبة ابراھیم بن عثمان الواسطی وھو ضعیف لکن له طرق ثلاثة یقوی بعضها بعض"

(موضوعاتِ کبیر صفحہ ۶۸-۶۹)

کہ جب صادق و مصدوق پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کا خبر دینا نقل موافق سے ثابت ہوگیا تو اس کے مخالف اقوال کیا وزن رکھتے ہیں۔ ابن ماجہ اور دوسرے ائمۂ حدیث نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فرزند ابراہیمؑ فوت ہوئے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جنّت میں اس کے لئے رضاعت کا انتظام ہے اور اگر یہ زندہ رہتا تو ضرور صدیق نبی ہوتا نیز اگر وہ زندہ رہتا تو اس کے ماموں قبطی سب آزاد کئے جاتے اور ؟ تندہ کوئی قبطی غلام نہ بنایا جاتا۔ اِس روایت کی سند میں ابوشیبہ ضعیف ہیں مگر یہ روایت تین سلسلہ ہائے رواۃ سے مروی ہے جو ایک دوسرے کی تقویت کا موجب ہیں"

حضرت امام علی القاریؒ نے اِس عبادت میں اس عُذر کا بھی جواب دے دیا ہے کہ بعض صحابہؓ سے اس مضمون کو دوسرے رنگ میں منسوب کیا گیا ہے جو آنحضرتؐ کی اس روایت کے خلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی روایت موجود ہے تو دوسرے لوگوں کی روایات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر امام موصوف نے بتا دیا کہ سند کا ضعف بھی اثر انداز نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس کے ازالہ کے لئے یہ حقیقت کافی ہے کہ یہ روایت تین طریقوں سے مروی ہے۔ امام نووی نے جس بات کو جسارت علی المغیبات قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ غیر نبی غیب کی بات قطعی طور پر بتائے اور ابن عبد البر نے اس بات کی تردید کی ہے کہ محض نبی کا بیٹا ہونے سے نبی ہونا لازمی قرار دیا جائے جیسا کہ عبداللہ بن ابی اوفی کے اثر میں ظاہر کیا گیا ہے۔ اُمّت کے کسی بزرگ نے یہ نہیں کہا کہ پیغمبر علیہ السلام کا لو عاش ابراھیم لکان صدّیقًا نبیًّا کہنا غلط ہے یہ صحیح روایت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ سے غیب پر اطلاع ملتی تھی۔ آپ کا غیب کی اطلاع دینا جسارت علی المغیبات نہیں ٹھہرائی جا سکتی۔

مدیر ترجمان القرآن کے عُذرِ چہارم کا جواب

چوتھے عُذر کے الفاظ سے واضح ہوجاتا ہے کہ حدیث کو ضعیف یا سند کو کمزور قرار دینے کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث "بابِ نبوّت کے کھلے ہونے کا امکان ظاہر کرتی ہے"۔ مدیر صاحب کا عُذرِ چہارم یہ ہے کہ اگر ہم اس حدیث کو صحیح تسلیم کریں تو ان حدیثوں کو کیا کریں جن میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد بابِ نبوّت کو مسدود قرار دیا گیا ہے؟ یقیناً یہ اہم سوال ہے مگر اس کا جواب بھی نہایت آسان اور واضح ہے۔ کیونکہ احادیث میں جس

نبوت کو بند ٹھہرایا گیا ہے وہ اَور قسم کی نبوت ہے اور اِس حدیث اور دوسری بعض احادیث میں جس نبوت کے دروازہ کو کھلا بتلایا گیا ہے وہ اَور نبوت ہے۔ دونوں احادیث اپنی اپنی جگہ پر بجا ہیں ان میں کوئی تناقض نہیں ہے۔ تطبیق کے لئے ذیل کے بین حوالے کافی ہیں:-

(۱) الشیخ عبدالقادر الکردستانی تحریر فرماتے ہیں:-

"ان معنی کونہ خاتم النبیین ھو انّہ لا یبعث بعدہ نبی آخر بشریعۃ اخریٰ"

کہ آنحضرتؐ کے خاتم النبیین ہونیکے یہ معنے ہیں کہ آپ کے بعد کوئی اَور نبی دوسری شریعت لیکر نہ آئے گا۔"

(تقریب المرام جلد ۲ صفحہ ۲۳۳)

(۲) جناب نواب صدیق حسن خان صاحب کی کتاب میں جو ان کے بیٹے نے شائع کی ہے لکھا ہے:-

"لا نبیّ بعدی آیا ہے اس کے معنے نزدیک اہلِ علم کے یہ ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی شرع ناسخ نہ لاوے گا۔"

(اقتراب الساعۃ صفحہ ۱۶۲)

(۳) جناب امام ملّا علی القاریؒ تحریر فرماتے ہیں:-

"لو عاش ابراھیم وصار نبیًّا و کذا لو صار عمر نبیًّا لکانا من اتباعہ علیہ السلام کعیسیٰ والخضر والیاس علیھم السلام فلا یناقض قولہ تعالیٰ خاتم النبیین اذ المعنیٰ انّہ لا یأتی نبی بعدہ ینسخ ملّتہ ولم یکن من اُمّتہ ویقوّیہ حدیث لو کان موسیٰ علیہ السلام حیًّا لما وسعہ الّا اتباعی۔"

ترجمہ:- اگر صاحبزادہ ابراہیمؓ زندہ رہتے اور نبی بن جاتے۔ اسی طرح اگر حضرت عمرؓ نبی بن جاتے تو وہ دونو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تابعدار ہوتے۔ جیسے کہ حضرت مسیحؑ۔ حضرت خضرؑ اور حضرت الیاسؑ ہیں۔ پس یہ صورت آیت خاتم النبیین کے منافی نہیں۔ کیونکہ خاتم النبیین کے معنے تو یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسا نبی نہیں آسکتا جو آپؐ کے دین کو منسوخ کرے اور آپؐ کی اُمت میں سے نہ ہو۔ اِس مضمون کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر حضرت موسیٰ زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔"

(موضوعات کبیر صفحہ ۶۹)

ان حوالوں سے ظاہر ہے کہ اُمت کے علماء پہلے سے معیّن کر چکے ہیں کہ جن احادیث میں نبوت کے بند ہونے کا ذکر ہے اُن سے شریعت والی نبوت مراد ہے اور جن احادیث سے امکانِ نبوت ثابت ہے اُن میں نبوت سے غیر تشریعی اور اُمّتی نبی والی نبوت مراد ہے۔ فلا تناقض! اور یہی جماعت احمدیہ کا عقیدہ ہے۔ مدیر ترجمان القرآن کے لئے کوئی وجہ پریشانی نہیں وہ ادنیٰ تدبر سے اِس تطبیق کو اپنا سکتے ہیں۔ واللّٰہ الھادی وھو الموفق والمعین +

ذی استطاعت احباب کا فرض ہے کہ الفرقان کی زیادہ سے زیادہ خریداری فرما کر طالبِ حق افراد تک پہنچائیں!

مِیثَاقُ النَّبِیّٖنَ کی تفسیر اور جناب مودودی صاحب کی غلطی!

(از جناب ڈاکٹر غلام مصطفےٰ صاحب)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے :-

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْھَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰھِدِیْنَ ۝ فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

مولوی مودودی صاحب نے اپنی کتاب تفہیم القرآن جلد اول کے صفحہ ۲۶۹ پر زیر آیت مذکورہ بالا اس کا ترجمہ اور تفسیر یوں کی ہے :-

ترجمہ :- "یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ آج ہم نے تمہیں کتاب و حکمت و دانش سے نوازا ہے۔ کل اگر کوئی دوسرا رسول تمہارے پاس اُسی تعلیم کی تصدیق کرتا ہوا آئے جو پہلے سے تمہارے پاس موجود ہے تو تم کو اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی۔ ..... یہ ارشاد فرما کر اللہ تعالیٰ نے پوچھا "کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میری طرف سے عہد کی بھاری ذمہ داری اٹھاتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں ہم اقرار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اچھا تو گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ اس کے بعد جو اپنے عہد سے پھر جائے وہی فاسق ہے"

تفسیر :- "مطلب یہ ہے کہ ہر پیغمبر سے اس بات کا عہد لیا جاتا رہا ہے۔ اور جو عہد پیغمبر سے لیا گیا ہو وہ لا محالہ اس کے پیروؤں پر بھی آپ سے آپ عاید ہو جاتا ہے کہ جو نبی ہماری طرف سے اس دین کی تبلیغ و اقامت کے لئے بھیجا جائے جس کی تبلیغ و اقامت پر تم مامور ہوئے ہو اس کا تمہیں ساتھ دینا ہوگا۔ اس کے ساتھ تعصب نہ برتنا۔ اپنے آپ کو دین کا اجارہ دار نہ سمجھنا۔ حق کی مخالفت نہ کرنا۔ مگر جہاں جو شخص بھی ہماری طرف سے حق کا پرچم بلند کرنے کے لئے اٹھایا جائے اس کے جھنڈے تلے جمع ہو جانا"

"یہاں اتنی بات اور سمجھ لینی چاہیئے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہر نبی سے یہی عہد لیا جاتا رہا ہے اور اسی بنا پر ہر نبی نے اپنی اُمت کو بعد میں آنیوالے نبی کی خبر دی ہے اور اس کا ساتھ دینے کی ہدایت کی ہے لیکن نہ قرآن میں نہ حدیث میں کہیں بھی اس امر کا پتہ نہیں چلتا کہ حضرت

محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا عہد لیا گیا ہو یا آپ نے اپنی اُمت کو کسی بعد میں آنیوالے نبی کی خبر دیکر اس پر ایمان لانے کی ہدایت فرمائی ہو۔"

مودودی صاحب کا یہ کہنا کہ قرآن و حدیث میں کہیں بھی اس امر کا پتہ نہیں چلتا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا عہد لیا گیا ہو صریح طور پر خلاف واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں صاف اور کھلے الفاظ میں فرماتا ہے :-

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ (سورۃ احزاب)

ترجمہ:- اور جب ہم نے نبیوں سے پختہ عہد لیا اور تجھ سے بھی لیا ہے۔ اور نوحؑ اور ابراہیمؑ اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم ان سب سے پختہ عہد لیا تھا۔"

سورۃ احزاب کی مذکورہ بالا آیت پر غور کرنے سے ایک لطیف نکتہ معلوم ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آنیوالے دو تشریعی نبیوں کا ذکر وضاحت سے ہوا ہے (۱) حضرت نوح علیہ السلام (۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ ان ہر دو کی شریعت کے دَور قریباً اکیس اکیس سو سال کے ہوئے ہیں اور ہر ایک کے قریباً ساڑھے بارہ سو بعد ایک تابع غیر تشریعی عظیم الشان نبی ظاہر ہوا ہے۔ چنانچہ اسی عرصے کے مطابق حضرت نوحؑ کی شریعت کے تابع نبی حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کی شریعت کے تابع حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے ہیں۔ انہی دو دَوروں والے چار انبیاء (ابتدائی اور آخری) حضرت نوحؑ و حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ و حضرت مسیحؑ کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ احزاب کی آیتِ میثاق میں فرمایا ہے وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ (احزاب ع۱)

دوسری جگہ قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں آیا ہے۔ وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ۝ یعنی حضرت ابراہیمؑ حضرت نوحؑ کی جماعت میں سے تھے۔ گویا حضرت ابراہیمؑ حضرت نوحؑ کی شریعت کے تابع تھے۔

پس سورۃ احزاب کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے میثاق النبیین کا حوالہ دیتے ہوئے "مِنْكَ" کا جو لفظ فرمایا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی میثاق النبیین والا میثاق ہی لیا تھا۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ جس طرح حضرت نوحؑ کے بعد تیرھویں صدی میں حضرت ابراہیمؑ مبعوث ہوئے اور حضرت موسیٰؑ سے تیرہ سو سال بعد حضرت مسیحؑ آئے تھے اسی طرح ہمارے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے قریباً تیرہ سو سال بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام اُمتی نبی ظاہر ہوئے ہیں۔ پس اس آیتِ قرآنی میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس میثاق کا ذکر موجود ہے جو گذشتہ انبیاء سے لیا گیا تھا۔ اور واقعات نے اس کی تائید بھی کر دی ہے۔ لہذا مودودی صاحب کا یہ کہنا کہ حضورؐ سے میثاق لیا جانا قرآن و حدیث سے کہیں ثابت نہیں بالبداہت غلط ہے۔ اے کاش لوگ قرآن مجید پر تدبر کریں۔*

العرب وحب القرآن

(اہلِ عرب اور انکی قرآن سے محبت)

(از مکرم مرزا عبدالحق صاحب مولوی فاضل ضلع گجرات)

قرآن کریم کا یہ بھی اعجاز ہے کہ اس کے قول میں ایک زبردست تاثیر ہے جو اثر کئے بغیر نہیں رہتی۔ وہ قوم جسے تہذیب و تمدن کی ہوا تک نہ لگی تھی اور جو علم کے نام سے بھی آشنا نہ تھی قرآن پاک کے ذریعہ اپنے اندر حیرت انگیز انقلاب محسوس کرنے لگی۔ ان کی روزمرہ کی گفتگو میں بھی جا بجا قرآنی محاورات اور قرآنی کلمات نظر آتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض صحابہ کرام کا یہ طریق تھا کہ وہ اپنا مدعا بھی کلام الٰہی کے الفاظ میں ادا کرتے تھے کیونکہ وہ دل و جان سے اسے مکمل جانتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضؓ کے متعلق مروی ہے کہ ایک دفعہ بھوک نے ان کو بہت ستایا۔ دست سوال دراز کرنے کی بجائے مسجد میں ہر داخل ہونے والے سے اس آیت کا ترجمہ پوچھتے جس میں بھوکوں اور مسافروں کو کھانا کھلانے کے متعلق بیان ہے۔ بتانے والے کچھ بیان کرکے چلے جاتے اور آپ بار بار پوچھتے۔ آخر ایک عارف کامل نے آپ کی حاجت پوری کر دی۔ اس طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے مطلب سے بہرہ ور ہوتے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد واپسی کی راہ اختیار کی اور تھوڑی دور راستہ میں ایک موڑ سے گزرنے لگا تو ایک سیاہ چیز نظر آئی۔ غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک خاتون بیٹھی ہیں۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

خاتون:۔ سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيمٍ (۵۸:۳۶)

سلامتی ہو رب رحیم کی طرف سے یہی پیغام ہے۔

حضرت عبداللہ:۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے آپ یہاں کیا کرتی ہیں؟

خاتون:۔ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ (۱۸۶:۷)

جسے اللہ تعالیٰ راستہ سے ہٹا دے اس کے لئے کوئی راہ نما نہیں۔

حضرت عبداللہ نے سمجھ لیا کہ راستہ سے بھٹک گئی ہیں پھر سوال کیا کہ اب کہاں کا ارادہ ہے؟

خاتون:۔ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَى (۱:۱۷)

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف لے گئی۔

حضرت عبداللہ:۔ آپ کتنے دنوں سے یہاں ہیں؟

خاتون:۔ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا۔ (۱۱:۱۹)

متواتر تین راتوں سے۔

حضرت عبداللہ:۔ آپ کھانا کہاں سے حاصل کرتی ہیں؟

خاتون:۔ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ (۲۶:۷۹)

وہ خدا ہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

حضرت عبداللہ:۔ آپ وضو کس چیز سے کرتی ہیں؟

خاتون:۔ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا۔ (۵ : ۶)

پس پانی میسر نہ ہو تو پاک مٹی سے تیمم کر لو۔

حضرت عبداللہ:۔ میرے پاس کھانا ہے کیا آپ تناول فرمائیں گی؟

خاتون:۔ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ (۲ : ۱۸۷)

روزہ رات تک مکمل کرو۔

حضرت عبداللہ:۔ یہ تو روزوں کا مہینہ نہیں ہے۔

خاتون:۔ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ○ (۲ : ۱۵۸)

جو کوئی خوشی سے نیکی کا قصد کرے تو اللہ تعالیٰ قدردان اور علیم ہے۔

حضرت عبداللہ:۔ سفر میں افطار روزہ تو مباح ہے۔

خاتون:۔ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ○ (۲ : ۱۸۴)

اور روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم (اس کے فوائد کو) جانتے ہو۔

حضرت عبداللہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے حیران ہو کر دریافت کیا کہ میری طرح عام زبان میں گفتگو کیوں نہیں کرتیں؟

خاتون:۔ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ○ (۵۰ : ۱۸)

جو بات بھی بیان کی جاتی ہے اس پر خدائی نگران مقرر ہے۔

حضرت عبداللہ:۔ آپ کس قبیلہ سے تعلق رکھتی ہیں؟

خاتون:۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ○ (۱۷ : ۳۶)

ایسی بات کے پیچھے نہ پڑیں جس کا علم نہ ہو۔ کان، آنکھ اور دل کے متعلق پوچھا جائے گا۔

حضرت عبداللہ:۔ میں نے غلطی کی ہے معاف فرمائیے۔

خاتون:۔ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ۔ (۱۲ : ۹۲)

آج تم سے کوئی مؤاخذہ نہیں ہو اللہ تعالیٰ تمہیں بخشے۔

حضرت عبداللہ:۔ کیا آپ میری اونٹنی پر سوار ہوں گی کہ اپنے قافلہ کو ملیں؟

خاتون:۔ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ (۲ : ۱۹۷)

جو نیکی بھی کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔

حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اونٹنی بٹھائی تو خاتون نے فرمایا۔

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ (۲۴ : ۳۰)

تو مومنوں کو کہدے کہ آنکھ کو نیچا رکھیں۔

حضرت عبداللہؓ نے اپنا منہ پھیر لیا اور کہا کہ آپ سوار ہو جائیں لیکن جب خاتون سوار ہونے لگیں تو اونٹنی بدکی جس پر خاتون نے کہا:۔ وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ (۴۲ : ۳۰) اور جو تکلیف بھی پہنچے وہ انسانی عمل کا خمیازہ ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ:۔ ذرا ٹھہریں میں اسے درست کرتا ہوں (گھٹنا باندھتے ہوئے)

خاتون:۔ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ (۲۱ : ۷۹)

پس ہم نے یہ باتیں سلیمان کو سمجھائیں۔

حضرت عبداللہؓ نے اونٹنی کا گھٹنا باندھا اور فرمایا کہ سوار ہو جائیں۔ خاتون سوار ہوئیں اور یہ دعا پڑھی:۔

سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ۔ (۴۳ : ۱۳)

پاک ذات ہے جس نے سواری ہمیں دی ورنہ ہم تو اسے تابو میں نہ لاسکتے تھے اور ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

حضرت عبداللہؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں مہار پکڑ کر نہایت آگے تیزی سے چلنے لگا اور کچھ بلند آواز سے پڑھنے لگا تو خاتون نے فرمایا:۔ وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ

مِنْ صَوْتِکَ (۳۱ : ۱۹) میانہ روی اختیار کرو اور اپنی آواز دھیمی رکھو۔

حضرت عبد اللہؓ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے گنگنانے لگے تو خاتون نے کہا:۔ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (۷۳ : ۲۰)

جتنا بھی قرآن میسر ہو پڑھو۔

حضرت عبد اللہؓ نے کہا آپ کو تو وافر حصہ دیا گیا ہے۔

خاتون:۔ وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ (۲ : ۲۶۹)

عقلمند ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

حضرت عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ تھوڑی دیر چلنے کے بعد میں نے پوچھا کہ کیا آپ کا خاوند موجود ہے؟

خاتون:۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ (۵ : ۱۰۱)

اے مومنو! ایسی بات نہ دریافت کرو جس کے ظاہر ہونے سے تمہیں تکلیف محسوس ہوگی۔

حضرت عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ میں بالکل خاموش ہو گیا حتیٰ کہ قافلہ کو جا لئے تو میں نے دریافت کیا کہ اس قافلہ میں آپ کا کون رشتہ دار ہے؟

خاتون:۔ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا (۱۸ : ۴۶)

حضرت عبد اللہؓ سمجھ گئے کہ ان کے لڑکے اس قافلہ میں ہیں۔ پھر سوال کیا کہ وہ حج میں کس مقام پر تھے؟

خاتون:۔ وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُوْنَ (۱۶ : ۱۶)

قسم ہے بلندیوں کی اور ان ستاروں کی جن سے راستہ معلوم کرتے ہیں۔

حضرت عبد اللہؓ نے سمجھ لیا کہ وہ قافلہ کے راہنما ہیں پھر وہ خیموں کے نزدیک جا کر اس خاتون سے پوچھتے ہیں کہ آپ کے رشتہ داروں میں سے کون کون یہاں ہیں؟

خاتون:۔ ۱۔ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِیْمَ خَلِیْلًا (۴ : ۱۲۵)

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو دوست بنایا۔

۲۔ وَکَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا (۴ : ۱۶۴)

اور موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے ہمکلام کیا۔

۳۔ یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّةٍ (۱۹ : ۱۲)

اے یحییٰ کتاب کو مضبوطی سے پکڑے رکھیو۔

حضرت عبد اللہؓ نے آواز دی اے ابراہیم! اے موسیٰ!! اے یحییٰ!!! تو چند نوجوان چاند جیسے روشن چہروں والے آن موجود ہوئے۔ سب آرام سے بیٹھ گئے تو خاتون نے فرمایا:۔

فَابْعَثُوْٓا اَحَدَکُمْ بِوَرِقِکُمْ هٰذِهٖٓ اِلَی الْمَدِیْنَةِ فَلْیَنْظُرْ اَیُّهَآ اَزْکٰی طَعَامًا فَلْیَاْتِکُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ

پس ایک آدمی تم میں سے نوٹ لیکر شہر جائے اور اچھا کھانا دیکھے اور لیتا آوے" (۱۸ : ۱۹)

ایک نوجوان بازار گیا اور کھانا لے آیا اور کھانا پیش کیا تو خاتون نے کہا:۔ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ (۶۹ : ۲۴)

کہ خوب کھاؤ اور پیو۔ مبارک ہو کہ تم نے گذشتہ دنوں بہت نیک کام کئے ہیں۔

حضرت عبد اللہؓ نے ان نوجوانوں سے کہا کہ مجھے یہ بتاؤ کہ یہ خاتون کون ہے۔ نوجوانوں نے جواب دیا "یہ ہماری والدہ ہے اور چالیس برس گذر گئے ہیں کہ سوائے قرآن کے وہ اور کوئی کلام نہیں کرتیں مبادا کہ قرآن مجید بھول جائے اور اللہ رحمٰن ناراض ہوں"۔

حضرت عبد اللہؓ نے فرمایا:۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (۵۷ : ۲۱) یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے اسے سرفراز کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے"۔

اللہ تعالیٰ ان مقدسوں پر ہزار ہزار فضل فرمائے جنہوں نے کلام اللہ کو اپنی زندگی پر حاوی کر لیا تھا اور برکاتِ سماوی کے وارث ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق دے کہ ہم بھی ان درخشندہ ستاروں کی راہ پر چل کر ان فیوض کو حاصل کریں +

رسالہ ترجمان القرآن کے ایڈیٹر کے نام خط!

(از جناب مولوی عبد الکریم صاحب پشاور)

رسالہ ترجمان القرآن بابت ماہ اکتوبر ۱۹۶۳ء میں "مزید اشکالات" کے عنوان سے ایڈیٹر صاحب نے بعض جواب دیئے ہیں جن پر ذیل کے خط میں (جو انہیں براہ راست بھی بھجوایا گیا ہے) میں نے تبصرہ کیا ہے۔ وھو ھذا۔

۱- جب آپ تسلیم فرماتے ہیں کہ ایک صاحبِ وحی کی خبروں کے مطابق واقعات کا ظہور پذیر ہونا علم حقیقت کی رو سے حق و باطل (یعنی مدعی وحی کے صدق و کذب) کا معیار ہے تو بتائیں اس کے علاوہ کونسا معیار ہے جس سے "فی الواقع صاحب وحی" کو جانچا جاسکتا ہے؟ از روئے قرآن مجید تو مدعی صاحب وحی کی بعض خبروں کے پورا ہونے کو ہی اس کے صدق کی علامت بتایا گیا ہے جیسا کہ فرمایا اِنْ یَّكُ صَادِقًا یُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ۔

۲- یہ سچ ہے کہ "جد و جہد کے دوران میں افراد کو طرح طرح کے مظالم اور ابتلاء سے گزرنا پڑتا ہے...... اس جد و جہد کے دوران میں کسی فرد کے تنعم یا ابتلاء کو دیکھ کر فوراً یہ فیصلہ صادر نہیں کیا جاسکتا کہ وہ متبع حق ہے اور یہ منحرف" مگر کیا یہ سچ نہیں کہ جب بھی داعی حق یا اس کی جماعت پر مخالف اپنے تمام مادی ذرائع اور مخفیہ تدابیر "روحانی حربوں" (یعنی بد دعاؤں) وغیرہ سے منظم ہو کر اجتماعی رنگ میں حملہ کریں تو نہ اس داعی حق اور نہ ہی اسکی جماعت کو اسکے اغراض و مقاصد میں وہ حملہ آور کچھ نقصان پہنچا سکیں تو کیا یہ تائید و نصرت الٰہی اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا سایہ ان کے سروں پر ہے جو باطل کے ہر حملہ سے انکو بچاتا ہے؟ جناب والا! یہ غلبہ واقعی اس امر کی دلیل ہے کیونکہ قرآن مجید شاہد ناطق ہے۔ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ (۲۸/۲۲) وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ (۲۳/۱۷۲ تا ۱۷۳) اور یہی ہیں نتائج حسنہ جو اہلِ حق کے لئے بار بار اہلِ باطل کے حملہ کی تکمیل کے بعد برآمد ہوتے ہیں؟

۳- مجھے آپ کے ارشاد پر کوئی اعتراض نہ ہوتا اگر جناب مولانا ابو الاعلیٰ صاحب نے یہ تحریر نہ فرمایا ہوتا کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اطراف ممالک کو اپنے اصول و مسلک کی طرف دعوت دی مگر اسکا انتظار نہ کیا کہ یہ دعوت قبول کی جاتی ہے یا نہیں بلکہ قوت حاصل کرتے ہی رومی سلطنت سے تصادم شروع کر دیا" کیا داعی کی حیثیت سے دعوت کا طریق مجرد دلیل سے افہام و تفہیم نہیں؟ نیز مولانا موصوف نے تحریر فرمایا کہ "امت مسلمہ خدائی فوجداروں کی جماعت ہے نہ مذہبی تبلیغ کرنیوالے واعظین و مبشرین کی" حالانکہ اللہ تعالیٰ کے رسول صرف مبشر و منذر ہوتے ہیں وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ (۱۸/۵۶) اور نبیوں کے سردار کو بھی ارشاد ہوتا ہے اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (۱۶/۱۲۶) کیا قوت سے اپنی دعوت کو منوانا اور واعظانہ طریق اختیار کر کے دلیل کی بجائے زور سے اپنے اصول و مسلک کو منوانا انسان کی اس آزادی انتخاب کو ختم کرتا ہے یا نہیں جو انسان کو آزاد ہستی بنا کر سزاوار جزا یا قابل سزا بناتی ہے؟

۴- آپ نے مجھے مناظرانہ ذہن کے طرز فکر اور قادیانی ذہن کا طعنہ دیکر غالباً اپنے اس جرم کے اخفاء کی کوشش فرمائی ہے جو آپ نے مغضوب علیہ قوم کو صحابہ سے مشابہت دیکر کیا ہے۔ اگر آپ کو اسے مغضوب علیہ قرار دینے کے الزام سے انکار ہو تو مولانا ابو الاعلیٰ صاحب کی کتاب سیاسی کشمکش کے صفحات ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴ اور ۱۶۲ وغیرہ ملاحظہ فرمائیں نیز اشارات ۱۵ اکتوبر پڑھیں جس میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ "ایک قوم پر غضب الٰہی کا سیلاب امڈ پڑنے" بقول

آپ کے یہ غضب الٰہی باغیانہ طرزِ عمل اختیار کرنیکی وجہ سے نازل ہوتا ہے۔ کیا ایک باغی قوم کو صحابہؓ سے تشبیہ دینا "مناظرانہ ذہن" کے طرزِ فکر کی افسوسناک مثال نہیں؟

۵۔ "چند اشکالات" اور "مزید اشکالات" نے آپ کی قوتِ استدلال کو سلب کر دیا ہے۔ کیونکہ آپ نے ماہ اگست کے ترجمان القرآن میں کہا کہ "قرآن کی زبان میں شجرۂ خبیثہ...... کی ساری بہار سطح زمین کے اُوپر ہی اُوپر ہوتی ہے۔ جڑ اندر نہیں ہوتی۔ بالکل ایسے جیسے گندگی کے ڈھیر پر راتوں رات ہی بیہودہ بیڑوں کا باغ لگ جاتا ہے لیکن ناپائیدار ہوتا ہے۔" مگر اب آپ نے کہا ہے کہ "بہت سے اشجار دُنیا میں ایسے موجود ہیں جو ہزار ہزار سال سے اپنے تنوں پر کھڑے ہیں" (ترجمان القرآن اکتوبر ۱۹۵۴ء) اس حقل سے نہ صرف آپ کے پہلے قول کی تردید ہوتی ہے، بلکہ قرآن مجید کی بھی تکذیب ہوتی ہے۔ کیونکہ قرآن کی زبان میں تو شجرۂ خبیثہ کو قرار نہیں ہوتا کیونکہ اس کی جڑ زمین کے اندر نہیں ہوتی۔ فرمایا اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ (۱۴/۲۷) آپ کی مرضی ہے کہ خدا کے قول کو تسلیم کریں یا ہوائے نفس کے ماتحت اپنی بات پر اصرار کریں۔

آپ نے "ملانے" کا لفظ استعمال کرنے پر نصیحت فرمائی ہے۔ میں اسکی قدر کرتا ہوں۔ مگر ہمارے علماء اور قادیان کی نسبت "قادیانی لال بجھکڑوں" (دیکھو رسالہ "یہ گرفتاریاں کیوں؟" صلا) کا لفظ استعمال کرتے وقت آپ لوگوں کو یہ درسِ نصیحت غالباً بھول گیا ہوگا۔

۶۔ مکرر عرض ہے کہ آپ کی تشریح غیر معقول ہے کیونکہ آیت لَوْ تَقَوَّلَ منکرین و مکذبین کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے اثبات کے لئے محلِ استدلال پر پیش کی گئی ہے۔ اور یہ دلیل اس وقت تک حجتِ ملزمہ نہیں بن سکتی جب تک تجربہ اور مشاہدہ سے اللہ تعالےٰ کے قول کا ثبوت میسر نہ ہو یا مکذبین و منکرین کی مسلمہ کتب الہامیہ میں اس کو بطور اصل کے پیش نہ کیا گیا ہو۔ علمائے اسلام کا تیرہ سو سال تک یہ دعویٰ تھا کہ کوئی مدعی نبوت کا ذب ۲۳ سال تک مہلت نہیں پا سکتا۔ مدعیٔ نبوت کا ذب جلد ہلاک ہوتا ہے (دیکھو رسالہ الفرقان اگست ۱۹۵۴ء) بقول مولوی ثناء اللہ صاحب آنجہانی یہ بات واقعاتِ عالم سے ثابت ہے مگر آپ نے بڑی جسارت سے مطالبہ کیا ہے کہ "اس اُمت میں متعدد کذابوں نے دعویٰ نبوت کیا ہے کیا اللہ تعالےٰ نے ان میں سے کسی ایک کی بھی گردن کاٹی ہے؟" دو کا تو میں پتہ دیتا ہوں۔ ایک مسیلمہ کذاب دوسرا اسود عنسی۔ ہاں اب آپ کسی ایک کا نام لیں جس نے لگاتار ۲۳ سال تک تقوّل کا ارتکاب کیا ہو اور مرتے دم تک توبہ نہ کی ہو پھر اس کو ۲۳ سال تک مہلت ملی ہو؟ ہم نے تو اس زمانہ میں بھی خدا تعالیٰ کے قول کے موافق پنڈت لیکھرام پشاوری کو قتل ہوتے دیکھا ہے۔ نیز بائیبل سے بھی خدا تعالیٰ کے قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ کتاب استثناء ۱۸/۲۰ و ۱۳/۵ - یرمیاہ ۱۴/۱۵ - حزقی ایل ۱۳/۹ تا ۱۳ - اعمال ۵/۳۶ و ۳۷۔

امید ہے کہ جناب اِن امور پر غور فرما کر عنداللہ ماجور ہوں گے۔ اِن حقائق کا اس لئے انکار کرنا کہ آپ کے ہوائے نفس کی اس سے تردید ہوتی ہے کوئی اچھا نتیجہ خیز امر نہیں ٭

سُورۂ مریم کے تفسیری نوٹ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہٖ کے درس سے سورۂ مریم کے مختصر تفسیری نوٹ پہلی مرتبہ ادارہ الفرقان کی طرف سے محدود تعداد میں شائع ہو رہے ہیں قیمت ایک روپیہ ہے۔ مینجر مکتبہ الفرقان۔ ربوہ

شذرات

(۱) رسالہ طلوع اسلام کی تازہ درافشانی

کراچی سے منکرینِ حدیث نبوی کا ایک رسالہ "طلوع اسلام"
شائع ہوتا ہے۔ گذشتہ سال جب جماعت احمدیہ کے خلاف
ایک طوفانِ بے تمیزی برپا تھا تو ایڈیٹر صاحب طلوع اسلام
نے لکھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ "طلوع اسلام نے قادیانیت کے
متعلق کچھ نہیں لکھا۔" پھر آپ نے اس "الزام" کے ازالہ
کے لئے احمدیہ جماعت کے متعلق مضامین شائع کرنے شروع
کر دیئے۔ مدت ہوئی کہ جناب چودھری ظفر اللہ خان صاحب
نے ایک مضمون بعنوان "ایک عزیز کے نام خط" تحریر
فرمایا تھا۔ چونکہ مدیر طلوع اسلام شہرت کے خواہاں تھے اسلئے
آپ کی نگاہِ انتخاب اس مضمون پر پڑی اور آپ نے اس پر
"تبصرہ" کے بہانے اکتوبر ۱۹۵۳ء کے طلوع اسلام میں ایک
طنزیہ اور استہزائیہ مضمون شائع کر دیا۔ اور اس میں
میں آپ نے تشریعی اور غیر تشریعی نبوت، ظلّی نبوت کی
حقیقت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے نبی بننے
کا امتیاز، قرآن مجید کی باطنی حفاظت، قرآن مجید میں
مسیح موعود کے آنے کے وعدہ کا ذکر، کے متعلق پانچ
استفسارات فرمائے۔ مدیر محترم کا خیال تھا کہ جناب
چودھری صاحب وزیر خارجہ پاکستان ہونے کی وجہ سے
عدیم الفرصت بھی ہیں اور حالات کے ماتحت وہ اسوقت
طلوع اسلام ایسے رسالہ کے جواب کی طرف التفات کرنا
پسند بھی نہ کریں گے نتیجہ یہ ہوگا کہ طلوع اسلام ڈھنڈورا
پیٹے گا کہ دیکھو ہمارے استفسارات کا کوئی جواب نہیں ہے۔
مدیر طلوع اسلام کی اس نیت کو بھانپ کر ہم نے ان کے
طنزیہ و استہزائیہ الفاظ کو نظر انداز کرتے ہوئے ان کے
اصل استفسارات کے جواب میں قرآن پاک کی آیات کی
روشنی میں رسالہ الفرقان بابت دسمبر ۱۹۵۳ء میں ایک مفصل
مقالہ شائع کیا اور مدیر صاحب کو دعوت دی کہ اگر انہیں
ہمارے پیش کردہ استدلالات سے اختلاف ہے یا
انہیں ان پر اعتراض ہے تو پیش کریں تا مزید وضاحت کی
جائے۔ الفرقان کے "قرآن نمبر" کا یہ مقالہ اتنا مؤثر
ثابت ہوا کہ طلوع اسلام آج تک خاموش ہے اور اپنے
قارئین کے "بہت سے استفسارات" کے باوجود ہمارے
مضمون کے جواب میں ایک بات بھی نہیں لکھ سکا۔
لوگوں کے مطالبۂ جواب پر مدیر طلوع اسلام نے
لکھا کہ :-

> "ہمارے سوالات خود چودھری صاحب
> سے تھے جن کی رُو سے ہم یہ بتانا چاہتے تھے
> کہ ان کے پاس ان کے عقائد کی قرآنی سند
> نہیں ہے۔ لہٰذا ان سوالات کا جواب بھی
> چودھری صاحب ہی کی طرف سے ہونا چاہیئے
> یا وہ خود جواب دیں یا کسی کی طرف سے دیئے
> ہوئے جواب کے متعلق ہمیں لکھ دیں کہ اس
> جواب کو انہی کی طرف سے سمجھا جائے۔ اسکے
> بعد ہم بتائیں گے کہ ان جوابات کو
> قرآن کی بارگاہ سے کیا جواب ملتا
> ہے۔" (طلوع اسلام مارچ ۱۹۵۴ء)

یہ عاجزانہ اعلان ہی اپنی ذات میں مدیر طلوع اسلام
کی رسوائی کے لئے کافی تھا۔ سوال تو یہ تھا کہ احمدیہ عقاید

کی قرآنی سند ہے یا نہیں ؟ جب وہ سند پیش ہو گئی اور مدیر طلوع اسلام کو اس کا کوئی جواب نہ سوجھا تو یہ بہانہ بنا لیا کہ یہ جوابات تو چودھری ظفر اللہ خان صاحب کے قلم سے لکھے ہوئے نہیں۔ وہ ہمیں لکھ دیں کہ یہ جواب انہی کی طرف سے سمجھا جائے تب ہم غور کریں گے۔ ہر عقلمند حیران ہے کہ وہ منکرین حدیث جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کو ماننے کی حاجت نہیں سمجھتے اور حضور سرور کونین (فداہ ابی و امی) صلی اللہ علیہ وسلم تک سے بے نیازی ظاہر کرتے ہیں وہ یہ بہانہ بنا رہے ہیں کہ یہ قرآنی جوابات چونکہ چودھری ظفر اللہ خان صاحب نے نہیں لکھے اس لئے ہم ان کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

ہم نے مدیر طلوع اسلام پر مزید اتمام حجت کے لئے ان کا یہ جواب جناب چودھری ظفر اللہ خان صاحب کو بذریعہ خط بھجوا دیا۔ جس کے جواب میں محترم چودھری صاحب موصوف نے ذیل کا مختصر گرامی نامہ ارسال فرمایا:۔

"مکرمی جناب مولانا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
آپ کا والا نامہ ملا۔ جزاکم اللہ۔ طلوع اسلام کی غرض میرے ساتھ ذاتی بحث چھیڑنا ہے میرے لئے مناسب نہیں کہ میں اس بحث میں پڑوں۔ اگر ان کی نیت محض جواب معلوم کرنا ہوتی تو وہ الفرقان کی طرف توجہ کرتے۔
خاکسار
۵۴۔۳۔۱۱ ظفر اللہ خان"

ہم نے الفرقان مارچ ۱۹۵۴ء میں یہ خط شائع کر کے پھر مدیر طلوع اسلام کو جواب کی طرف توجہ دلائی۔ مگر صدا بہ صحرا ست والا معاملہ ثابت ہوا۔ اس پر ہم نے ماہ اپریل کے رسالہ میں "جناب مدیر رسالہ طلوع اسلام کراچی کے نام" کے عنوان سے ایک کھلا مکتوب شائع کیا جس کے آخری الفاظ یہ تھے کہ:۔

"ایڈیٹر صاحب طلوع اسلام کو ہماری پیش کردہ آیات قرآنیہ اور ان سے اخذ کردہ استنباط و استدلال پر اگر کوئی اعتراض ہو تو وہ پیش فرما دیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کا جواب دینے کے لئے تیار ہیں۔"
(الفرقان اپریل ۱۹۵۳ء)

اس کے جواب میں ایڈیٹر صاحب طلوع اسلام کی درفشانی ملاحظہ فرمائیں۔ ہمارے مقالہ کے پورے ایک سال بعد (الفرقان کا قرآن نمبر دسمبر ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا تھا) تحریر فرماتے ہیں:۔

"دو ایک خطوط[1] ایسے موصول ہوئے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ احمدیوں کے رسالہ الفرقان نے کہا ہے کہ طلوع اسلام نے جن سوالات کا جواب چودھری محمد ظفر اللہ خان سے مانگا تھا ان کا جواب ہم نے دیا ہے اور اس کے بعد طلوع اسلام خاموش ہے۔ الفرقان سے کوئی پوچھے کہ انہیں مخاطب کس نے کیا تھا جو وہ جواب دینے کے لئے آگے بڑھ آئے[2]۔ بات یوں چلی تھی کہ طلوع اسلام نے لکھا تھا کہ عام طور پر لوگ کہتے ہیں اگر مرزائیت ایسا ہی پوچ مذہب ہے تو چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب جیسا قابل آدمی اس کا متبع کیوں ہے؟ اس کے جواب میں ہم نے لکھا تھا کہ چودھری صاحب کی عام قابلیت جو ہو سو ہو جہاں تک

---

[1] الفرقان آپ کو باقاعدہ بھیجا جا رہا ہے۔ آیت قرآنی وَمَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ کے ماتحت اس بناوٹ کو چھوڑیئے۔

[2] کیا یہ واقعہ نہیں ہے؟ پہلے یہ بھی تو سوچئے کہ چودھری ظفر اللہ خان صاحب کے "ایک عزیز کے نام خط" والے دیرینہ مضمون پر "تبصرہ" کے لئے آپ کس کی درخواست کی بنا پر آگے بڑھ آئے تھے۔ جناب کو اگر جواب لکھوانا نہیں آتا تو خفگی کیوں ہے؟

قرآن کا تعلق ہے ان کا علم ایسا ہی ہے جیسا خود مرزا صاحب کا تھا[1]۔ اس کے بعد ہم نے لکھا تھا کہ چودھری صاحب نے اپنی کتاب میں اپنے جو عقائد گنائے ہیں وہ ان کی تائید میں قرآنی دلائل پیش کریں۔ چودھری صاحب نے آج تک ایسا نہیں کیا۔ نہ ہی انہوں نے یہ کہا کہ فلاں صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اُسے میری طرف سے سمجھا جائے۔ لہذا طلوع اسلام کے لئے اس باب میں مزید کچھ لکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا[2]۔ مرزائیوں کے ساتھ بیکار مباحث میں وہی اُلجھ سکتا ہے جس کے پاس بیکار وقت اور فالتو عقل ہو[3]۔ جن کے ہاں نہ قرآن ہو نہ علم اُن سے بات کیا کی جائے[4]۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی قوم[5] علمی سطح میں اس شخص سے آگے بڑھ ہی نہیں سکتی جسے وہ اپنا امام اور جس کے علم کو وہ خدائی علم مانتی ہو لہذا کوئی مرزائی علم و عقل میں مرزا صاحب سے آگے بڑھنے کا تصور تک بھی نہیں کر سکتا اور مرزا صاحب کی جس قدر علمی قابلیت تھی اس کا اندازہ ان کی کتابوں سے لگ سکتا ہے جو ہر جگہ ملتی ہیں[1]؟ ہم اپنے ذاتی تجربہ کی بناء پر کہتے ہیں کہ اگر کسی صاحبِ ذوقِ سلیم کو سخت ترین سزا دینی ہو تو اس سے کہیئے کہ اُسے مرزا صاحب کی کتابیں پڑھنی ہونگی۔ آپ دیکھیں گے کہ وہ ہفتہ بھر کے بعد چیخ اُٹھے گا کہ مجھے قید ہونا منظور ہے لیکن یہ ذہنی عذاب نہیں برداشت کیا جا سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ مرزائیت قبول ہی وہی کر سکتا ہے جس کے پاس نہ علم ہو نہ ذوقِ سلیم[2]۔"

(طلوع اسلام دسمبر ۱۹۵۴ء)

ہم نے طلوع اسلام کے مغرور و متکبر ایڈیٹر صاحب کا یہ طویل اقتباس اسلئے درج کیا ہے تا سب انصاف پسند اصحاب اندازہ کر لیں کہ ان کے جواب کا انداز کیا ہے۔ سوال تو اتنا ہے کہ آپ نے پانچ استفسار کئے تھے ہم نے قرآن مجید کی آیات سے ان کے جواب دیئے ہیں۔ آپ اگر جواب الجواب کی طاقت رکھتے ہیں تو میدان میں آجائیے اور اگر ایسی طاقت نہیں تو کم از کم شریفانہ خاموشی اختیار فرمائیں۔ اس کی کیا ضرورت ہے کہ آپ پُرانے مکذبین کے نقشِ قدم پر چل کر اسی طرح استہزاء اور تمسخر اور طنز اختیار کریں۔ لوگ کہتے تھے کہ وہ کون تھے جنہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کو إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ کہا تھا؟ پھر وہ کون تھے جنہوں نے کہا تھا کہ نوحؑ کی جماعت میں تو وہی شامل ہوتا ہے جسے نہ علم ہے اور نہ ذوقِ سلیم۔ وہ کہتے تھے وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّأْيِ ج وَمَا نَرَىٰ لَكُمْ

---

[1] یہ اندازِ بیان محض دل آزاری کیلئے اختیار کیا جا رہا ہے۔ کیا شرفاء کا اندازِ خطاب یہی ہوتا ہے؟ [2] کیا ہمارے جوابی قرآنی مقالہ پر "تبصرہ" کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا؟ [3] حضرت! ظفر اللہ خان "مرزائی" سے اُلجھنے کے لئے آپکے پاس "بیکار وقت اور فالتو عقل" کیسے آجائیگی؟ [4] ساری اجارہ داری تو منکرین حدیث کے پاس ہے بھلا اور کسے قرآن یا علم آسکتا ہے؟ [5] "کوئی قوم" کے کلیہ میں حکمؔ الولیوں کا کیا مقام ہو؟ سب امام ہونے کے باعث ہی وہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی علم و عقل میں آگے بڑھنے کا ادعا کرتے رہتے ہیں +

[1] بشرطیکہ دل میں خدا کا خوف اور دماغ میں ادراک ہو۔ [2] اسی قسم کے ذاتی تجربہ والے پہلے نبیوں کو بھی کہتے رہے ہیں مَا نَفْقَهُ كَثِيرًا مِّمَّا تَقُولُ (ہود ۹۱) فرعون نے بھی إِنَّهُمْ لَنَا لَغَائِظُونَ کہہ کر اسی ذہنی عذاب کا ذکر کیا تھا +

عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ (ھود : ۲۷)
ایسے سائلین کی تسلی کے لئے عرض ہے کہ ایسے لوگ آج بھی موجود ہیں جو عربی میں نہ سہی اُردو میں یہی مضمون دُہرا رہے ہیں۔

جہاں تک ہمارے مضمون کا تعلق ہے وہ آج بھی لاجواب ہے اور ہمیں یقین ہے کہ آئندہ بھی مدیر طلوع اسلام کو اسکے جواب کی جرأت نہ ہوگی۔ اگر انہوں نے کبھی مجبوراً اِسطرف کا رُخ کیا تو انشاء اللہ قرآنی حقائق و دلائل کی درخشندگی اَور بھی نمایاں ہوگی۔ ہم منصف مزاج اور خدا ترس احباب سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ از خود قرآنی آیات پر غور کریں اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے آمین ۔

(۲) مجلس دستور ساز اور اسلامی جماعت

مولانا مودودی صاحب کی "اسلامی جماعت" کا بھی عجیب حال ہے۔ پاکستان بننے سے پہلے تحریک پاکستان کو غیر اسلامی تحریک کہتے تھے اور اس کے معرض وجود میں آنے کو محال بتلاتے تھے اور کسی قیمت پر تحریک پاکستان سے تعاون کرنے کے روادار نہ تھے۔ جب مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کے لئے ان کے بعض ساتھیوں نے انہیں کہا تو انہوں نے جواب دیا کہ :-

"جب آپ ایک تحریک کو غیر اسلامی مان رہے ہیں تو پھر کس مُنہ سے ایک مسلمان سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اس کا ساتھ دیا جائے ؟ جن مسائل اور مصائب کا اس قدر رونا رویا جا رہا ہے یہ مسائل اور مصائب سرے سے پیدا ہی نہ ہوتے اگر مسلمان اسلام کے فی الواقع سچے نمائندے ہوتے۔ اور اگر مسلمان اب بھی سچے مسلمان بن جائیں تو آج ہی یہ سارے ختم ہو جائیں گے۔ یہ لوگ ہندوستان کے ذرا سے کونے میں پاکستان بنانے کو اپنا انتہائی مقصد بنائے ہوئے ہیں لیکن اگر فی الواقع خلوصِ قلب سے اسلام کی نمائندگی کے لئے کھڑے ہو جائیں تو سارا ہندوستان پاکستان بن سکتا ہے۔" (تقریر بموقعہ اجتماع پٹنہ ۲۵ اپریل ۱۹۴۷ء)

جناب مولوی مودودی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ :-

"بعض لوگ یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ ایکدفعہ غیر اسلامی طرز کا ہی سہی مسلمانوں کا قومی اسٹیٹ تو قائم ہو جائے۔ پھر رفتہ رفتہ تعلیم و تربیت اور اخلاقی اصلاح کے ذریعہ سے اس کو اسلامی اسٹیٹ میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ مگر میں نے تاریخ، سیاسیات اور اجتماعیات کا جو تھوڑا بہت مطالعہ کیا ہے اس کی بناء پر میں اس کو ناممکن سمجھتا ہوں۔ اور اگر یہ منصوبہ کامیاب ہو جائے تو میں اسے ایک معجزہ سمجھوں گا۔" (سیاسی کشمکش حصہ سوم ص ۱۶۸-۱۶۹)

مسلمانوں کی تحریک پاکستان کے مقابلہ پر مودودی صاحب اسلامی نظام کو قائم کرنے کے لئے جو طریق اختیار کرنے کے حامی تھے وہ ان کے الفاظ میں یہ تھا :-

"اگر آپ فی الواقع نظامِ اسلامی کے قیام کے خواہاں ہیں تو پہلے اپنے آپکو اور اپنے لوگوں کے دلوں کو بدلیئے۔ وہ دل ان جسموں کو بدلیں گے جن میں وہ دھڑک رہے ہوں گے۔ پھر وہ اجسام اپنے گھروں اور خاندانوں اور بستیوں اور شہروں کو بدلیں گے جن میں وہ رہتے ہوں گے۔ ان کی سیرتیں، ان کی صورتیں، ان کے معاملات، تعلقات، سیاست، تجارت، معاشرت اور تمدن ہر شے بدلتی جائے گی تا آنکہ ایک

ایسی سوسائٹی اور جماعت بن جائیں گے کہ ان کے اندر کسی دوسرے نظریۂ زندگی کا عملاً چلنا ناممکن ہو جائے گا اور وہ نظام اسلامی وجود میں آئے گا جس کی ہر چیز اسلامی اور ہر جزء سرتاپا اسلام ہوگا۔ اسلامی نظام ہمیشہ اسی طریق پر قائم ہوتا ہے اور آئندہ کبھی قائم ہوگا تو اسی طرح ہوگا۔ جو لوگ اس کے سوا کسی دوسرے طریقے کو بھی اسلامی نظام کے قیام کا ذریعہ سمجھتے ہیں وہ سخت دھوکے میں ہیں اور ہم کوشش کر رہے ہیں کہ ان کے اس دھوکے کو جلد از جلد دور کریں۔"

(روداد جماعت اسلامی حصہ پنجم صفحہ ۱۵۲-۱۵۳)

مولانا مودودی صاحب مسلمانوں کے دھوکہ کو جلد از جلد دور کرنا چاہتے تھے مگر مشیت ایزدی نے پاکستان قائم کر دیا۔ پھر کیا تھا مولانا اور ان کے رفقا جھٹ پاکستان آ گئے اور ایک دوسرے ڈھنگ میں مسلمانوں کو "دھوکہ" سے نکالنے لگے۔ آپ نے کہا کہ یہ مسلمان تو محض نام کے مسلمان ہیں ان کی کثرت کے ہاتھ میں باگیں نہ دی جائیں" بلکہ مودودی صاحب اور ان کے ساتھیوں کو زمام سلطنت دی جائے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"یہ انبوہ عظیم جس کو مسلمان قوم کہا جاتا ہے اس کا حال یہ ہے کہ اس کے ۹۹۹ فی ہزار افراد نہ اسلام کا علم رکھتے ہیں نہ حق و باطل کی تمیز سے آشنا ہیں نہ ان کا اخلاقی نقطۂ نظر اور ذہنی رویہ اسلام کے مطابق تبدیل ہوا ہے۔ باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے کو بس مسلمان کا نام ملتا چلا آ رہا ہے اس لئے یہ مسلمان ہیں۔ نہ انہوں نے حق کو حق جان کر قبول کیا ہے نہ باطل کو باطل جان کر اسے ترک کیا ہے۔ ان کی کثرت رائے کے ہاتھ میں باگیں دے کر اگر کوئی شخص یہ امید رکھتا ہے کہ گاڑی اسلام کے راستے پر چلے گی تو اس کی خوش فہمی قابل داد ہے۔" (سیاسی کشمکش حصہ سوم)

مسلمانوں کی اکثریت سے باگیں چھیننے کے لئے آپ نے مختلف طریقے اختیار کئے اور چاہا کہ کسی طرح دستور ساز مجلس میں گھس جائیں مگر آپ کو کامیابی نہ ہوئی۔ مودودی جماعت میں شامل ہونے کے قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ ہے کہ:۔

"اگر وہ کسی مجلس قانون ساز کا رکن ہو تو اس سے فوراً مستعفی ہو جائے کیونکہ قانون سازی صرف خدا کا منصب ہے۔ اور انسان کا قانون ساز بننا خدائی کے دعوی کو متضمن ہے"

گویا مودودی صاحب اور ان کے ساتھیوں نے اپنے مسلک کے خلاف عمل کر کے خدائی کا دعویدار بننا چاہا مگر انہیں کامیابی نہ ہوئی۔

اس پر اس "خالص مذہبی جماعت" نے اسلامی دستور کے مطالبہ کے نام سے ملک میں ایک طوفان برپا کر دیا۔ مجلس آئین ساز نے جو قانون بنایا اسے ملک کی اکثریت نے رد کر دیا اور نئے اور بہتر قانون کا مطالبہ کیا۔ مجلس آئین ساز کے تغافل اور ذاتی خرخشوں کے باعث ملک کا آئین مرتب نہ ہو سکا اور ہر طرف سے آوازیں بلند ہوئیں کہ جب آئین ساز مجلس اپنی نااہلیت ثابت کر چکی ہے تو گورنر جنرل اسے توڑ کر نئی مجلس کے ذریعہ ملک کا اسلامی جمہوری آئین کیوں مدون نہیں کرواتے۔ ان آوازوں میں مودودی جماعت کی آوازیں بھی تھیں۔ مودودی صاحب کے رسالہ ترجمان القرآن

اکتوبر ۱۹۵۴ء میں بھی ایڈیٹر صاحب نے لکھا ہے :-

"ملک کے سات برس ایک غیر اسلامی دستور کے ماتحت گزر گئے ہیں اور اس دوران میں ایک اسلامی دستور کی تدوین سے گریز کی ہر تدبیر آزما ڈالی گئی ہے اور اس کام کی تکمیل کو معرضِ التوا میں ڈالنے کے لئے ہر ادنیٰ سے ادنیٰ عذر اور حیلے سے پورا پورا فائدہ اٹھایا گیا ہے۔"

(ترجمان القرآن اکتوبر ۵۴ء صفحہ)

اب چاہیئے تو یہ تھا کہ جب گورنر جنرل نے مجلس آئین ساز کو توڑ دیا تو یہ لوگ بھی ملک کے باقی بہی خواہوں کی طرح اطمینان کا سانس لیتے اور اس غیر اسلامی آئین سے مخلصی پر مسرت محسوس کرتے مگر ہوا یہ کہ مودودی پارٹی نے شور مچا دیا کہ مجلس آئین ساز کو توڑنا مناسب نہ تھا۔ یہ بڑا ظلم ہوا ہے۔ اب انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ :-

"مجوزہ آئین کی حیثیت خدائی حاکمیت، اسلام کے بنیادی تقاضوں اور اسلامی شریعت کو بطور معیار اپنے اندر جذب کر لینے کی وجہ سے ایسی ہے جس کے تحت کوئی مخلص طاقت مکمل اسلام نافذ کر سکتی ہے۔"

(لاہور میں جماعت اسلامی کے جلسہ میں مولانا نعیم صدیقی کی تقریر۔ نوائے وقت ۲ اکتوبر ۵۴ء)

اسباب و موجبات خواہ کچھ ہوں۔ بعض عناصر سے مودودی صاحبان کا سیاسی گٹھ جوڑ اس کا موجب ہو یا ان لوگوں کی ملک میں انتشار پسندی اس کا باعث ہو بہر حال یہ ظاہر ہے کہ جس مجوزہ آئین کو یہ لوگ سات سال تک غیر اسلامی کہتے رہے اور آخر تک اسے غیر اسلامی بتلاتے رہے گورنر جنرل کے دلیرانہ اقدام کے بعد انہوں نے اسے اسلامی یا نیم اسلامی کہنا شروع کر دیا۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ مودودی جماعت کا یہ طریق کار بھی اسلامی ہے یا نہیں کہ ایک ہی آئین اسلامی بھی ہے اور غیر اسلامی بھی؟ دوسرا یہ امر قابل توجہ ہے کہ نوائے وقت کے مندرجہ بالا حوالہ میں "مخلص طاقت" سے مراد کونسی طاقت ہے کیا اسی کثرت کی طاقت جن کے ہاتھ میں باگیں نہیں دی جا سکتیں یا اس سے اشارہ خود اپنی پارٹی کی طرف ہے؟ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ ۔

(۳) وفاتِ مسیحؑ اور قرآن مجید

طلوع اسلام میں لکھا ہے کہ :-

"پشاور سے ایک صاحب لکھتے ہیں کہ مرزائی حضرات یہ کہتے ہیں کہ کیا مرزا صاحب کی نبوت کی یہ دلیل نہیں کہ انہوں نے وفات مسیح جیسے اہم مسئلہ کو اس طرح واشگاف کیا جس میں مسلمان اتنی بڑی غلط فہمی میں مبتلا تھے۔"

اس کے جواب میں مدیر طلوع اسلام لکھتے ہیں :-

"سوال یہ ہے کہ کیا وفات مسیح کے متعلق جو کچھ مرزا صاحب نے بتایا ہے وہ قرآن میں تھا یا نہیں؟ اگر وہ قرآن میں نہیں تھا تو اسکے یہ معنے ہیں کہ قرآن ناقص تھا اور مرزا صاحب کی نبوت نے اس نقص کو پورا کیا ہے۔ اسکے بعد ان سے پوچھیئے کہ وہ قرآن کو کس طرح مکمل مانتے ہیں اور اگر انہوں نے یہ کچھ قرآن ہی سے ثابت کیا ہے تو پھر اس میں نبوت کا سوال کہاں سے پیدا ہو گیا۔"

مدیر صاحب خوب جانتے ہیں کہ جماعت احمدیہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کی تاکید کے مطابق قرآن مجید کو مکمل اور جامع شریعت یقین کرتی ہے اسلئے انہیں چاہیئے تھا کہ اگر نکتہ نکالنے بغیر صداقت طور پر اعتراف کرتے

کہ قرآن مجید میں سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وفاتِ مسیح ثابت کرنا آپ کا کمال ہے اور یہ اس بات پر محکم دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو فہم قرآن عطا فرمایا گیا ہے۔ یقیناً ظاہر ہے کہ جس طرح زمین میں سے سونے کی کان کے انکشاف کرنے والے کی فضیلت کا انکار اسلئے جائز نہیں کہ جی سونے کی کان پہلے سے ہی زمین میں موجود تھی۔ اِسی طرح قرآن مجید کو کامل ماننے کے باوجود قرآن مجید سے ہی اس حقیقت کے انکشاف کرنیوالے کی فضیلت کا کیونکر انکار کیا جا سکتا ہے جو حقیقت قرآن مجید میں تو موجود ہے مگر صدیوں سے کروڑوں انسانوں کی نظروں سے اوجھل تھی۔ قرآن مجید سے محبت کرنے والا انسان تو ایسے شخص پر قربان ہو جائے گا جس نے صدہا سالوں کے بعد قرآنی صداقت کو واضح کر کے اسلام کو عیسائیت پر غالب کر دکھایا۔ مگر تعجب ہے کہ مدیر طلوعِ اسلام کو اس میں کچھ نظر ہی نہیں آتا۔

باقی رہا یہ سوال کہ اس طرح تو ماننا پڑیگا کہ قرآن سمجھنے سمجھانے کے لئے نبی کی ضرورت پڑے گی۔ بے شک یہ امران لوگوں کے لئے جو ہم قرآن کریم کے لئے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام پاک کو سننا بھی گوارا نہ کرتے ہوں بہت ناگوار ہے مگر قرآن مجید پر تدبر کرنے والے جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تورات کے متعلق فرمایا ہے:-

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ
نُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا
لِلَّذِيْنَ هَادُوْا (المائدہ: ۴۴)

کہ ہم نے تورات کو ہدایت اور نور پر مشتمل نازل کیا۔ بعد میں آنے والے نبی جو تورات کے تابع تھے وہ یہودیوں کو تورات سمجھاتے تھے اور اس کے ذریعہ سے فیصلہ کرتے تھے۔

پھر تورات وہ کتاب ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى
الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ
وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ
رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ (الانعام: ۱۵۴)

کہ ہم نے موسیٰؑ کو بہترین باتوں پر مشتمل مکمل کتاب دی۔ اس میں (بنی اسرائیل کے لحاظ سے پوری تفصیل تھی۔ وہ ہدایت اور رحمت تھی تاکہ بنی اسرائیل اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لائیں۔"

ان آیات پر غور کرنے والے جانتے ہیں کہ تورات بنی اسرائیل کے لئے مکمل شریعت تھی۔ مگر بایں ہمہ یہودیوں کو تورات سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے پے در پے نبی ارسال فرمائے۔ محض نبی کا آنا کتاب کے مکمل ہونے کے منافی نہیں بلکہ صاحب شریعت جدیدہ نبی کا آنا پہلی کتاب کے نامکمل ہونے پر دلیل ہوتا ہے۔ غیر تشریعی نبی کا آنا تو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کتاب تو فی ذاتہٖ مکمل ہے مگر اس پر عمل کرنے والوں اور اسے ماننے والوں میں نقص ہے۔ اس نقص کے ازالہ کیلئے اور مکمل کتاب کے حقائق کو واضح کرنے کیلئے غیر تشریعی نبی آتے ہیں۔

اس تصریح کی روشنی میں خدارا اس حقیقت پر غور فرمائیں کہ قرآن مجید میں وفاتِ مسیح کا مسئلہ مذکور ہے تیس آیات میں مذکور ہے اور یہ عقیدہ فی ذاتہا اس وقت عیسائیت پر غلبۂ اسلام کا بہت بڑا ذریعہ ہے مگر کروڑوں مسلمان صدیوں سے وفاتِ مسیح کے بجائے حیاتِ مسیح کے قائل چلے آتے ہیں اور جب حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام نے اللہ تعالےٰ سے علم پا کر قرآن مجید کے رُو سے حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات کا اعلان کیا تو تمام مسلمان کہلانے والوں نے آپ کو کافر قرار دیا اور آج جبکہ دُنیا اس عقیدہ کو احمدیت کی برکت سے مان چکی ہے منکرین حدیث کا رسالہ یہ کہہ رہا

ہے کہ اس میں حضرت مرزا صاحبؑ کا کیا کمال ہے۔ کیا اخفاءِ حق کی اس سے بڑھ کر کوئی مثال مل سکتی ہے؟

(۴) اَولیاءِ اُمّت پر منکرینِ حدیث کا حملہ

چودہ سو برس سے اُمّتِ مسلمہ میں ہزارہا اولیاء و صلحاء ہوئے ہیں جن پر الہام نازل ہوتا تھا اور جنہوں نے اپنی تحریر و تقریر میں اس کا اعلان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے مکالمہ و مخاطبہ فرماتا ہے۔ ان بزرگانِ اُمّت کو مدِّنظر رکھتے ہوئے طلوعِ اسلام کے پرویز صاحب لکھتے ہیں:۔

"رسول اللہ کے بعد کشف و الہام کے عقیدہ نے ختمِ نبوّت کی مُہر کو بھی توڑ دیا وحی اور الہام میں صرف لفظی فرق ہے ورنہ اصل کے اعتبار سے دونوں ایک ہیں۔ دونوں کی عمارت اس بنیاد پر اٹھتی ہے کہ انسان کے پاس عقل کے علاوہ ایک اور ذریعۂ علم بھی ہے جس سے وہ خدا سے براہِ راست معلومات حاصل کر سکتا ہے۔ اس طریق سے حاصل کردہ معلومات کو قرآن کی رُو سے وحی کہا جاتا ہے اور تصوّف کی زبان میں الہام۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ اگر رسول اللہ کے بعد الہام کا امکان جاری ہے تو ختمِ نبوّت کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔"

(طلوعِ اسلام دسمبر ۱۹۵۴ء صفحہ ۲۷)

گویا منکرینِ حدیث کے نزدیک اُمّت کے تمام صلحاء اور اولیاء جنہوں نے الہام کا دعویٰ فرمایا اور جن سے اللہ تعالیٰ نے مکالمہ کیا وہ سب معاذ اللہ جھوٹے تھے اور ختمِ نبوّت کی مُہر کو توڑنے والے تھے۔ اولیاءِ اُمّت پر یہ بہت بڑا حملہ ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ ختمِ نبوّت کا غلط مفہوم لے کر یہ لوگ نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند شان اور آپ کے اعلیٰ مرتبہ کا انکار کرتے ہیں بلکہ تمام اُمّت کے اولیاء و ابرار کو بھی غلط کار ٹھہراتے ہیں۔ گویا اُمّتِ محمّدیہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے وہ دروازے بھی بند ہو گئے جو بنی اسرائیل کی عورتوں پر بھی کھُلے تھے۔ اُمّتِ موسوی میں تو عورتوں کو الہام ہو سکتا تھا مگر اُمّتِ محمّدیہ میں کسی نیک سے نیک ولی کو بھی الہام نہیں ہو سکتا کیونکہ اس سے پرویز صاحب کے نزدیک ختمِ نبوّت کی مُہر ٹوٹتی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

(۵) دردمند دلوں کی تمنّا!

لندن ٹائمز یکم نومبر نے لکھا ہے "مسلسل خبریں آ رہی ہیں کہ مصر سے لیکر اور ایران اور پاکستان ہوتے ہوئے انڈونیشیا تک متعدد مسلم ملک شدید مصیبتوں اور بے چینیوں میں مبتلا ہیں اور بعض ملکوں میں پیش آنے والے واقعات تو ایک ہی سانچے میں ڈھلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں"۔ اس اقتباس کو درج کرتے ہوئے مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی حسرت بھرے انداز میں لکھتے ہیں:۔ "اصلاح و تجدیدِ دین کی تحریکیں بڑے زور شور سے مخلص پُرجوش ہاتھوں سے اُٹھتی ہیں اور دیر نہیں ہونے پاتی کہ آپس ہی کی رنجشوں اور مخالفتوں سے شدید خانہ جنگیوں کے تھپیڑوں سے پاش پاش ہو جاتی ہیں۔ عرب ہو یا ہند، مصر ہو یا پاکستان ہر ملک میں تقریباً یہی انجام ہر اسلامی تحریک کا ہوتا چلا آیا ہے یہاں تک کہ بعض وقت تو بڑے بڑے پُر امید دل کو بھی کچھ مایوسی سی ہو جاتی ہے اور دل یہ سوال کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اب عمر فاروقؓ کی جامعیت یعنی جوش کے ساتھ ہوش اور جذبۂ دینی کے ساتھ تدبّر کیا کبھی دیکھنے میں نہ آئیگی؟ اور اُمّت کی کشتی کی قسمت میں اب ہمیشہ کیلئے یوں ہی جھکولے کھاتے رہنا اور طوفان کے تھپیڑے سہتے رہنا ہے؟" (صدق جدید لکھنؤ ۱۰ دسمبر ۱۹۵۴ء) +

احادیثِ نبویہ کے حجتِ شرعی ہونے پر دلائل

منکرینِ احادیث کے اوہام کا ازالہ

(از جناب مولوی خورشید احمد صاحب شاد پروفیسر جامعہ نصرت)

منکرینِ حدیث اور مستشرقین اعتراض کرتے ہیں کہ جس چیز کا وجود ابتداءً احاطۂ تحریر میں نہیں آیا اور جس کی تالیف دوسری صدی میں ہوئی اس کی صحت کا کس طرح یقین ہو۔ منکرینِ حدیث یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن مجید جامع کتاب ہے اس سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ قطعی ہے اس کی موجودگی میں ہمیں کسی اور چیز کو تشریح قرار دینے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے متعلق خود فرما دیا ہے تفصیلاً لکلّ شیءٍ۔ پھر احادیث چونکہ ظنیات کا انبار ہیں اس لئے شرع میں قابلِ حجت نہیں۔ ان معترضین کا جواب ہم دو طرح سے دیں گے:۔ (۱) الزامی و عقلی۔ (۲) تحقیقی اور روائتی۔

الزامی و عقلی جواب

الزامی جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کے سوا تمام مذہبی کتب نبوی روایات، تاریخی واقعات اور تمام اقوام کی سیاسی، تمدنی اور علمی تاریخ ان کے سینکڑوں برس بعد جا کر مرتب ہوئی ہے۔ اگر مستشرقین اور منکرینِ حدیث ان روایات اور واقعات کو بلا چون و چرا تسلیم کرتے اور اپنی ضروریات و مشاغلِ علمیہ میں ان سے سند لیتے ہیں حالانکہ ان کے ساتھ ایسے دلائل بھی موجود نہیں جو ان کی یقینی صحت پر دلالت کریں تو احادیث جن کی صحت کے ہزاروں دلائل موجود ہیں کو قبول کرنے میں سوائے مذہبی تعصب اور ہٹ دھرمی کے اور کونسی شے روک ہو سکتی ہے۔

احادیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو محدثین نے انتہائی جانچ پڑتال کے بعد لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے اور ان میں سے صرف وہی احادیث پیش کی ہیں جن کا سلسلۂ اسناد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے اور پھر ان رواۃ کے بیان ہوتی ہیں جن کا عادل ہونا، متدین اور ثقہ ہونا ظاہر و باہر ہے۔ انہوں نے ثقہ رواۃ کو الگ بیان کر کے ان کی وجہ ثقاہت اور ضعیف رواۃ کو الگ بیان کر کے ان کی وجہ ضعف بتا دی۔ اسی طرح احادیثِ صحیحہ اور احادیثِ ضعیفہ کو علیٰ مراتبہا تفصیل وار بیان کیا ہے۔ پھر جو احادیث ان کے پاس پہنچیں وہ تعداد میں لاکھوں تھیں اگر وہ چاہتے تو رطب و یابس کے دفاتر جمع کر دیتے لیکن انہوں نے پوری احتیاط اور چھان بین کے بعد صرف انہیں احادیث کو قبول کیا جو ان کے اعلیٰ معیار پر پوری اتریں اور باقی کو رد کر دیا۔ چنانچہ حضرت امام احمد بن حنبل رح کو آٹھ لاکھ احادیث یاد تھیں لیکن مسند احمد بن حنبل میں صرف تیس ہزار احادیث مذکور ہیں۔ امام ابوداؤد رح کو پانچ لاکھ احادیث زبانی یاد تھیں لیکن سنن ابی داؤد میں انہوں نے صرف چھ ہزار احادیث درج

کی ہیں۔ اسی طرح حضرت امام بخاریؒ کو چھ سات لاکھ احادیث ازبر تھیں لیکن آپ نے اپنی کتاب صحیح البخاری میں صرف ساڑھے چار ہزار احادیث درج فرمائی ہیں۔ محدثین نے جو احتیاط اخذِ روایات میں کی اس سے دیگر مذہبی کتب اور روایات بالکل خالی ہیں۔ جب دیگر مذاہب کی روایات بلاتحقیق قابلِ تسلیم ہیں تو احادیث بدرجہ اولیٰ قابلِ تسلیم ہونی چاہئیں۔

منکرینِ حدیث سے ہماری یہ گذارش ہے کہ قرآن مجید کی جامعیت حدیث کی حجیت کے خلاف نہیں۔ قرآن مجید کی جامعیت کا یہ مفہوم تو کسی کے ذہن میں نہ ہوگا کہ وہ تشریح و توضیح کا محتاج نہیں۔ اس کی کسی آیت میں کوئی اجمال کسی عموم میں کوئی تقیید اور کسی مراد میں کوئی وضاحت طلب ابہام نہیں۔ ارکان و شرائط اور اسباب و موانع کی تمام تفصیلات اس میں مذکور ہیں۔ ہر حکم کی لامتناہی جزئیات کا اس نے احاطہ کر لیا ہے۔ فرائض و واجبات مستحبات و سُنن کی تمام حدود اس نے مقرر کر دی ہیں حتیٰ کہ بحث و نظر کے لئے اس نے کوئی گوشہ بھی باقی نہیں چھوڑا۔ اگر قرآن مجید کی جامعیت کا یہی مفہوم ہے کہ قرآن کریم میں ہر امر کی وضاحت اس حد تک ہو چکی ہے تو رسول کی بعثت کا کیا فائدہ تھا؟ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت کے لئے رسول کی بعثت کے سوا کوئی چارہ نہ تھا اور رسول کے واسطہ کے بغیر کتاب اللہ کا سمجھنا ناممکن ہے۔ کیونکہ جس شخص پر وہ کتاب نازل ہوئی اور جس کا براہِ راست تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلام کا ہر زیر و بم سمجھ سکتا ہے وہی اس کے تمام معانی صحیح رنگ میں سمجھ کر دوسروں تک پہنچا سکتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔

"وَلَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ
إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ
يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَ
يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ
وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ
مُّبِيْنٍ ○"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بعثتِ رسول کی چار اغراض بیان فرمائی ہیں (۱) تلاوتِ آیات۔ (۲) تزکیۂ نفوس۔ (۳) تعلیمِ کتاب۔ (۴) تعلیمِ حکمت۔

اوّل:۔ تلاوتِ آیات سے اگر صرف ظاہری تلاوت مراد لی جائے تو اگرچہ اہلِ زبان عربوں کے لئے یہ مقصد کوئی اہم معلوم نہیں ہوتا لیکن اس کی اہمیت کا اندازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ہو سکتا ہے جو آپ نے تلاوت کی توسیع کے متعلق فرمائی۔ چنانچہ حضورؐ نے سات حروف تک تلاوت کرنے کی اجازت حاصل کی۔ اگر حضورؐ نے خود تلاوت نہ سکھائی ہوتی تو معلوم نہیں عرب بالخصوص عجم کی تلاوت میں کس قدر نقائص رہ جاتے۔

دوم و سوم:۔ تعلیم و تزکیۂ نفوس۔ یہ درست ہے کہ قرآن کریم کے اولین مخاطب عرب ہی تھے جو خود اہلِ زبان تھے مگر کسی کتاب کی مراد سمجھنے کے لئے صرف اہلِ زبان ہونا ہی کافی نہیں ہوتا بسا اوقات مصنف کی مراد محدود کی توسیع اشتراک ترادف اور مجاز و کنایات کے پردوں میں پوشیدہ ہو جاتی ہے بلکہ جتنی بلند پایہ کتب ہیں سب شرح کی محتاج ہیں۔ اور پھر ہر شارح الگ الگ مطلب بیان کرتا ہے بالیقین کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مصنف یا شاعر کی اصل مراد کیا ہے۔ یہی حال قرآن مجید کا ہے۔ عرب اس وقت اگرچہ زباندانی کے اوج پر پہنچے ہوئے تھے تو قرآن مجید بھی اعجاز کے بلند ترین مراتب پر فائز ہوا ہے اور یہ اعجاز نہ صرف الفاظ میں بلکہ

معانی میں بھی ہے۔ تاریخی واقعات اور ملی تنازعات میں اس کی حیثیت حَکَمْ کی تھی۔ وہ مبداء و معاد، الٰہیات، اسرارِ غیب اور روحانی حقائق کا معلّم معاشرت و معاشیات کا مقنّن بن کر نازل ہوا تھا۔ ادھر مخاطبین اپنی طویل گمراہی اور ذہنی اور طبعی ضد کی وجہ سے اس درجہ پستی کو پہنچ چکے تھے، جس میں از خود سمجھنے کی اہلیت مفقود تھی اور قرآن مجید کی بلند روحانیات کا ادراک کیسے کر سکتے تھے جبکہ انہیں اس سے دُور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ وہ ان اخلاق کو کیونکر پا سکتے تھے جن کی اُن کو ہوا تک نہ لگی تھی۔ اس صورت میں اگر قرآن مجید محض ان کی زباندانی اور فہم پر چھوڑ دیا جاتا اور رسول کی ذات درمیان سے علیحدہ کر دی جاتی تو کیا وہ اللہ تعالیٰ کی صحیح مراد کو پا سکتے تھے؟ جو اللہ تعالیٰ کے سوا رحمان کے نام سے بھی ناآشنا تھے ان سے یہ توقع رکھنا کہ وہ از خود قرآنی معارف کو سمجھ سکیں گے درست نہیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے کہ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ۔ گویا وہ رحمٰن کے معنی سمجھنے کے لیے بھی کسی معلّم کے محتاج ہیں۔ اس طرح سے واضح ہو جاتا کہ اس قسم کے غیر معروف الفاظ کی وضاحت کے لئے ان میں اور کتاب اللہ کے درمیان بھی واسطہ کی ضرورت تھی جو اُن کی جنس سے ہو اور اُن کے الفاظ و خیالات اور فہم کے مطابق انہیں کتاب الٰہی سمجھائے۔ اسی تفہیم اور بیان کا نام حدیث ہے پس حدیث کی حجیت کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔

ذیل میں چند امثلہ بیان کی جاتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام رضؓ کو باوجود اہلِ زبان ہونے کے قرآن کریم کے سمجھنے میں دقت پیش آئی۔ (تفصیل کے لئے اعلام الموقعین جلد ۴ صفحہ ۲۲۳-۲۴۴ ملاحظہ فرمائیں)۔

پہلی مثال: صحیح بخاری میں ہے کہ جب آیت اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ نازل ہوئی تو صحابہؓ نے عرض کی اَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ تو حضورؐ نے فرمایا کہ یہاں تو ظلم سے مراد شرک ہے لقولہ تعالیٰ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ

دوسری مثال: روزہ کے احکام میں یہ آیت نازل ہوئی حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ تو موسیٰ بن قاسم نے سفید و سیاہ دھاگے کی آپس میں تمیز سمجھی۔ چنانچہ پھر حضورؐ نے فرمایا کہ اس سے مراد فجر ہے۔

تیسری مثال: يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا۔ اس آیت کے نزول پر بعض اہل کتاب نے صحابہؓ سے سوال کیا کہ حضرت مریمؑ کو قرآن مجید نے اُختِ ہارون کیسے کہہ دیا۔ جبکہ ہارون موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئے تھے؟ صحابہؓ نے حضورؐ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ ہر قوم اپنے نبیوں کے نام پر اپنے بچوں کے نام رکھتی آئی ہے۔ یہاں ہارون نبی مراد نہیں بلکہ ان کے ہم نام اور شخص مراد ہیں۔ علامہ ابن القیم نے ان سوالات اور جوابات کو بالتفصیل بیان کیا ہے۔ ان سینکڑوں سوال و جواب کے مرتب اور پُر منفر سلسلہ کو جو احادیث نابتہ

کے ساتھ روایت ہوتا چلا آیا ہے بلکہ موضوع کہہ دینا منکرینِ حدیث کے لئے بھی آسان نہ ہوگا وہ بھی ان کی تاریخی حیثیت سے تو کم از کم انکار نہیں کر سکتے۔ اگر وہ ان بیانات کی تاریخی حیثیت سے بھی انکار کر دیں تو دنیا کی کوئی تاریخ بھی ایسی نہیں جو قابلِ قبول ہو۔ کیونکہ جس تحقیق و تدقیق کے بعد مختلف مراحل میں سے گذر کر احادیث نبویہ ہم تک پہنچی ہیں ایسی تحقیق اور احتیاط دنیا کی کسی تاریخ کو حاصل نہیں۔ پھر تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ شارعِ اسلام علیہ السلام کا بھی کوئی وجود تھا یا نہیں؟ اور وہ روایات اور واقعات جو آپ کے اخلاق، عادات و صفات سے متعلق ہیں اُن کا بھی انکار کر دیا جائے گا۔

چہارم:- آیت وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے رسول ہم نے تیری طرف ذکر نازل کیا تاکہ تو لوگوں پر بیان کر دے جو کہ ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر شخص ذکر کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ اس کو واضح کرنے کے لئے رسول کا وجود ضروری ہے۔ اب جو کچھ رسول اسکے بیان اور وضاحت میں کہیگا وہ روحانیت اور علوم پر مشتمل ہوگا۔ اسلئے جو کچھ رسول فرمائے گا اس کی نہ صرف اُس وقت بلکہ آئندہ کے لئے بھی ضرورت اور احتیاج باقی رہیگی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ توضیح کی ضرورت قرآن مجید کے کسی نقص کی وجہ سے نہیں بلکہ لوگوں کے قصورِ فہم کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ اگر اس سے مراد صرف کلام الٰہی ما بین الدفتین ہے تو اس کا دینے والا تو خدا ہے رسول نہیں ہے۔ پس آیت کے معنے یہ ہیں کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم تمہیں جس چیز کا حکم دیں وہ کرو اور جس سے روکیں اُس سے رُک جاؤ۔ ذرا غور کیا جائے تو یہی اس آیت سے مستنبط ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول کے اقوال اور افعال بھی قابلِ حجت ہیں۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ؕ

پس معلوم ہوا کہ رسول صرف تبلیغ دین کے لئے نہیں آتے بلکہ وہ عملی طور پر کتاب کا نمونہ بھی ہوتے ہیں۔ اسلئے ہر قول و عمل میں ان کی اطاعت لازم ہوتی ہے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنا لازمی ہوتا ہے۔ پھر یہ واقعہ ہے کہ دین کے تمام احکام کی تفصیل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور حضور کے افعال سے ہی ہمیں معلوم ہوتی ہے اگر سنت اور حدیث کے وجود سے انکار کر دیا جائے تو کیسے معلوم ہو کہ نماز کتنی دفعہ کس کس وقت، کتنی کتنی رکعات پڑھی جائے؟ اور ہر رکعت میں کیا کیا حرکات ہیں، کس قسم کی تصریحات ہیں، کس جگہ تلاوت کرنی ہے اور کس جگہ دعائیں وغیرہ۔ منکرینِ حدیث بھی باوجود انکار کرنے کے اپنی عبادات میں اکثر و بیشتر ان اقوال کے مطابق ہی عمل کرتے ہیں۔ پس تفصیلاتِ دین کو بیان کرنا

اور عملی نمونہ سے شائع کرنا رسول کا ہی کام تھا جو بموجب آیت قرآنی وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ قابلِ تقلید و اتباع ہیں۔

تحقیقی جواب معاندین اور منکرین کو ہمارا تحقیقی اور واقعی جواب یہ ہے کہ یہ کہنا بھی درست نہیں کہ اوائلِ اسلام میں احادیث کے محفوظ کرنے یا لکھنے کا انتظام نہ تھا کیونکہ تحقیق سے ثابت ہے کہ اس وقت مکہ میں بارہ[۱۲] اشخاص خواندہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی لکھنے کے لئے چار کاتب مقرر تھے جو حضورؐ کے تمام ارشادات قلمبند کرتے تھے۔ لیکن اس وقت عمداً احادیث کو باضابطہ طور پر احاطۂ تحریر میں لایا نہ گیا جس کی چند وجوہ تھیں :۔

اوّل:۔ قرآن مجید کے نزول کا زمانہ تھا۔ قرآن مجید کی کوئی آیت یا حصہ نازل ہوتے ہی قلمبند کر لیا جاتا۔ اگر اس وقت احادیث لکھنے کی بھی ساتھ ہی اجازت دیدی جاتی تو احادیث کے اختلاط بالقرآن ہونے کا خطرہ تھا۔ اور عین ممکن تھا کہ کوئی شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو تقدس کی وجہ سے قرآن مجید کے ساتھ ساتھ لکھنا شروع کر دیتا۔ اس حکمت کے پیش نظر اختلاط سے بچنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداءً احادیث لکھنے سے منع فرما دیا۔ چنانچہ روایت ہے :۔

"عن ابی سعید الخدری
انّه قال قال رسول اللّٰه
صلی اللّٰه علیه وسلّم
لا تکتبوا عنّی ومن
کتب عنّی غیر القرآن
فلیمحه وحدثوا عنّی
ولا حرج ومن کذب علیّ
متعمدا فلیتبوأ مقعده
من النار" (مسلم کتاب الزہد)

دوم:۔ دینی تعلیم و تربیت اور جنگی مصروفیات کی وجہ سے صحابہ کرام کا قرآن مجید کو ضبط کرنا اور تحریر اور ترتیب میں لانا ہی بڑا کام تھا اسلئے احادیث کو ضبط کرنے کی طرف توجہ نہ دی گئی۔

سوم:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک اسوقت صحابہ میں موجود تھا۔ صحابہؓ عند الضرورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسائل دریافت فرما لیتے اسلئے لکھ کر یاد کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی گئی۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ کا یہ دستور تھا کہ وہ دُور دُور سے باری باری حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر حضورؐ کے ارشادات سنتے رہتے اور پھر جا کر اپنے ساتھیوں کو بھی آگاہ کرتے۔

چہارم:۔ عربوں کا حافظہ بھی غضب کا تھا انہیں پشت ہا پشت سے طویل قصے، مفصل خطبات اور ہزاروں اشعار کے قصیدے حفظ کرنے کی عادت تھی۔ حتیٰ کہ بعض اوقات ایک دفعہ سننے پر ہی لمبے لمبے قصیدے یاد کر لیتے۔ چنانچہ جاہلیت میں ایک دفعہ کعب بن زبیر نے ایک طویل قصیدہ ارتجالاً پڑھا تو اس کی قوم کے بچوں نے ایک دفعہ سُن کر تمام قصیدہ یاد کر لیا۔ ——— حافظے کی اس قدر تیزی کی وجہ سے انہیں ارشاداتِ نبوی کا یاد رکھنا

کوئی مشکل کام نہ تھا جو نہایت مختصر مگر معنی خیز ہوتے تھے اور جنہیں حضورؐ ٹھہر ٹھہر کر اور اکثر تین تین دفعہ دُہرا کر بیان فرماتے۔ مزید برآں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فلیبلغ الشاھد الغائب کے مطابق حضورؐ کا ایک ہی ارشاد دِن میں کئی کئی دفعہ مختلف مجالس میں اور مختلف اوقات میں ان کی زبان پر ہوتا۔ اور کاغذ کے پُرزوں پر نقل کرنے سے زیادہ اُن کے سینوں میں محفوظ ہو جاتا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں مختلف قسم کی ہوتی تھیں۔ بعض میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کے جزوی مسائل ہوتے تھے۔ بعض میں زندگی کے حالات اور تمدن وغیرہ کے مسائل ہوتے تھے۔ بعض میں قرآن کریم کی تفسیر ہوتی۔ بعض ملکی رسوم وغیرہ سے متعلق ہوتی تھیں۔ بہرحال ہر جملہ فصاحت و بلاغت میں ڈوبا ہوا ہوتا تھا۔ اگر یہ تمام باتیں قلمبند کی جائیں تو اونٹوں پر لادے جانے والا بوجھ تیار ہو جاتا خصوصاً ایسے زمانہ میں جبکہ لکھنے کا رواج چمڑے اور پتوں اور ہڈیوں پر تھا۔

اگرچہ جملہ احادیث کو اوائل میں بوجوہ مذکورہ احاطۂ تحریر میں نہیں لایا گیا۔ پھر بھی جلیل القدر صحابہ کرامؓ سے ضروری اور اہم روایات کو ان کا تحریر کرنا ثابت ہے مثلاً :-

۱- تذکرۃ الحفاظ میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔

"جمع ابی الحدیث فکانت خمس مائۃ حدیث۔"

۲- حضرت علیؓ فرماتے ہیں :-

"ماکتبنا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الّا القرآن وما فی ھذہ الصحیفۃ" (تذکرۃ الحفاظ جلد۱)

۳- حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے متعلق تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص۲۹ میں مذکور ہے :-

"کتب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم علمًا کثیرًا فکان یعترف لہٗ ابوھریرۃ بالاکثار من العلم فانہٗ کان یکتب وکنت لا اکتب۔"

اب احادیث میں سب سے زیادہ ابوہریرہؓ کی روایات مروی ہیں۔ آپ نے قریباً ساڑھے چار ہزار احادیث روایت کی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت عبداللہؓ کی کتاب میں اس سے زیادہ احادیث موجود تھیں۔ پس ثابت ہوا۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی ایک صحابی کے پاس حضورؐ کے سات آٹھ ہزار ارشادات موجود تھے دیگر صحابہؓ کی احادیث اس کے علاوہ تھیں۔

۴- تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، حضرت حسن بن علیؓ، حضرت ابن عباسؓ اور عبداللہؓ بن ربیعہ بن مرصد احادیث لکھا کرتے تھے۔

۵- احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس زکوٰۃ کے متعلق لکھے ہوئے ارشادات موجود تھے۔

۶- حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "ابوشاہ" کو خطبہ لکھ کر دینے کا ارشاد فرمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نوٹ کرنے والے بعض اصحاب حضورؐ کی مجلس میں موجود رہتے اور جو ضروری بات نوٹ کے قابل ہوتی نوٹ کر لیتے۔ یا جسکے نوٹ کرنے کا ارشاد ہوتا اُسے نوٹ کر لیتے۔

۷- حضورؐ کے وہ تبلیغی خطوط بھی تحریر میں شامل ہیں جو آپ نے مختلف بادشاہوں کی طرف لکھوائے۔ حضورؐ کے زمانہ میں بعض صحابہؓ خاص خاص احادیث

قلمبند کرتے تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تو صحابۂ عظام کو احادیث کے قلمبند کرنے کی طرف خاص توجہ پیدا ہو گئی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے متعلق مذکور ہے کہ:-

"اراد عمر ان یجمع سُنَناً
فاستشار اصحاب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فاشاروا
لہٗ اَن یکتُبَہا" (تذکرۃ الحفاظ)

مندرجہ بالا بیان سے ثابت ہے کہ احادیث اگرچہ ساری کی ساری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جمع نہیں کی گئی تھیں لیکن بعض معتبر صحابہ کا حضورؐ کی زندگی میں بھی احادیث تحریر کرنا ثابت ہے۔ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد احادیث کو جمع کرنے کی ضرورت شدت سے محسوس کی گئی اس لئے فوراً ہی مجالس احادیث قائم ہوئیں۔ جابجا صحابہ کرامؓ نے مدارس قائم کر دیئے۔ بہت سے صحابہ مدینہ سے باہر دوسرے ممالک میں پھیل گئے۔ یہ حلقہ ہائے درس بہت وسیع تھے۔ جب محدثین نے کوفہ، بصرہ، مکہ، مدینہ اور حجاز و خراسان سے احادیث کو جمع کیا تو ان کو ماسوائے تھوڑے سے لفظی تغیر کے بالکل مطابق پایا۔ روایات سے ثابت ہے کہ بصرہ میں حضرت ابوہریرہؓ کے ہی ساٹھ ہزار شاگرد تھے۔ پہلی صدی ہجری تک بے شمار درسگاہوں سے ہزاروں لوگ مختلف صحابہ سے احادیث حاصل کر چکے تھے۔

پہلا حلقۂ درس:- مدینہ میں سب سے بڑا حلقۂ درس حضرت عائشہؓ کا تھا۔ حضرت ابوالحسن اشعری فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "آدھا دین عائشہؓ سے سیکھو (طبقات ابن سعد جلد ۲) اسی فضیلت کی بنا پر آپ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بھی فقیہہ تھیں۔ چنانچہ آتا ہے:-

"کانت عائشۃ قد استقلت بالفتوی
فی خلافۃ ابی بکر و عمر و عثمان و ھلم جرا
الیٰ ان ماتت۔

آپ کے بے شمار شاگرد ہوئے ہیں (تفصیل کے لئے دیکھو طبقات ابن سعد جلد ۲) لیکن ان میں سے قاسم، عروہ اور عمرہ بنت عبدالرحمٰن مشہور ہیں۔

قاسمؒ بن محمد بن ابی بکرؓ حضرت عائشہؓ کے بھتیجے تھے۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ مجھ پر بہت مہربان تھیں اسلئے میں اکثر ان کے پاس رہا کرتا۔ یہی حال عروہ بن زبیرؓ کا تھا۔ ان دونوں کے بعد عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے زیادہ حضرت عائشہؓ کی احادیث کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ چنانچہ محمد بن عبدالرحمٰنؒ روایت کرتے ہیں:-

قال لی عمر بن عبد العزیز ما بقی
احدا علم بحدیث عائشۃ منہا۔
قال وکان عمر یسئلہا۔

قاسمؒ سے دو سو احادیث مروی ہیں۔ ان کی احادیث کے دو مستند سلسلے ہیں۔ ایک ان کے بیٹے عبدالرحمٰن سے ہے جن کے متعلق بخاری کتاب المناسک باب الطیب بعد رمی الجمار میں لکھا ہے:-

"کان افضل اھل زمانہ ..."

دوسری سند عبیداللہ بن عمرؓ سے ہے۔ یہ مدینہ کے فقہاء سبعہ میں شمار ہوتے ہیں۔

دوسرا حلقۂ درس:- حضرت زیدؓ بن ثابت کا تھا۔ جو کاتب وحی اور جامع قرآن تھے۔ فرائض کے فن میں تمام صحابہ میں ان کا جواب نہ تھا۔ یہ ان چھ بزرگوں میں سے ہیں جن کو فتویٰ دینے کا منصب حاصل تھا۔ ان کی روایات کے سب سے بڑے حامل ان کے بیٹے خارجہ تھے جو فقہاء سبعہ میں شمار ہوتے ہیں۔ ... ...

... ...

... ...

تیسرا حلقۂ درس حضرت ابوہریرہؓ کا تھا۔ جو صحابہ میں سب سے زیادہ روایت کرنے والے تھے۔ ان کے آٹھ سو شاگرد تھے۔ ان کے داماد حضرت سعید بن المسیبؒ ان کی احادیث کے سب سے بڑے حافظ تھے۔ ان کے علاوہ ابوسلمہ، ابوصالح، ابن سیرین اور طاؤس بھی حضرت ابوہریرہؓ کے خاص شاگرد تھے۔

چوتھا حلقۂ درس حضرت جابرؓ بن عبداللہ کا تھا۔ مدینہ کے مفتی تھے۔ مسجد نبوی میں درس دیا کرتے تھے۔ آن کے تلامذہ میں سے محمد بن المنکدر کو خاص شہرت حاصل تھی۔

پانچواں حلقۂ درس حضرت ابوسعیدؓ خدری کا تھا آپ صغار صحابہ میں سے تھے۔

چھٹا حلقۂ درس حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا تھا۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے ہر شخص دنیا کی طرف جھکا اور دنیا اس کی طرف جھکی لیکن ابن عمرؓ مستثنیٰ ہیں۔ انہوں نے ساٹھ برس تک حدیث کا درس دیا۔ انکے بہت سے تلامذہ تھے لیکن سالم اور نافع خاص شہرت رکھتے ہیں۔

سالمؒ حضرت ابن عمر کے بیٹے تھے اور فقہاء سبعہ میں شامل ہیں۔ امام زہری جیسے بلندپایہ محدث انکے شاگرد ہیں۔ احمد بن حنبل اور اسحٰق بن راہویہ کے نزدیک زہری عن سالم عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصح الاسانید ہے۔

نافعؒ حضرت ابن عمرؓ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ فن روایت میں امامت کا درجہ رکھتے تھے۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے انہیں حدیث کی تعلیم کے لئے مصر بھیجا تھا۔ امام مالکؒ انکے خاص الخاص شاگرد ہیں۔ امام بخاری کے نزدیک مالك عن نافع عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصح الاسانید ہے۔ امام مالکؒ کے علاوہ ایوب سختیانی اور عبداللہ بن دینار بھی نافع کے ممتاز تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ تو مدینہ کے علماء تھے جنہوں نے مدینہ میں علوم حدیث کی اشاعت کی۔ مدینہ کی ہمسری اس وقت کوفہ کو حاصل تھی کیونکہ بہت سے صحابہ وہاں جاکر آباد ہوگئے تھے۔ جن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے بلندپایہ صحابی بھی تھے حضرت عمرؓ نے جب ان کو کوفہ میں معلم اور گورنر بناکر بھیجا تو انکے متعلق کہا :-

وقد آثرتکم عبد اللہ بن مسعود علیٰ نفسی۔ (طبقات جلد ۶ صلا)

ان کے بہت سے شاگرد تھے جو ان کی بہت سی روایات بیان کرتے ہیں لیکن علقمہ، اسود اور مسروق کے ذریعہ سے جو روایات منقول ہیں وہ زیادہ قابل اعتبار ہیں۔ علقمہ کے متعلق حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں :-

ما اقرأ شیئاً الا وھو یقرأہ (بخاری کتاب المغازی باب قدوم الاشعریین)

حضرت علقمہ کے شاگردوں میں شعبی زیادہ مشہور ہیں۔ یہ علامۃ التابعین کہلاتے تھے۔ انہوں نے پانچ سو صحابہ کو دیکھا تھا۔ ابن عیینہ فرماتے ہیں کہ لوگ صحابہؓ کے بعد کہا کرتے تھے کہ تین صحابہ اپنے زمانہ میں فوقیت رکھتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ اپنے زمانہ میں، شعبیؒ اپنے زمانہ میں اور ثوریؒ اپنے زمانہ میں۔ محدثین سعید بن المسیبؒ اور ابن سیرینؒ کی طرح شعبی کی مراسیل کو بھی قبول کر لیتے ہیں۔ سنہ ۱۰۹ھ میں انتقال فرمایا۔ شعبی کے بعد حضرت علقمہؒ کے شاگردوں میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔

اسودؒ حضرت ابن مسعودؓ کے ممتاز شاگرد ہیں۔ صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ حضرت عائشہؓ ان کو خاص خاص احادیث بتاتی تھیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے تعمیر کعبہ کے متعلق انہیں سے حدیث دریافت کی۔ (بخاری کتاب العلم باب من ترك بعض الاختیار مخافۃ ان یقصر فھم بعض الناس)

آپ سنہ ۷۵ھ میں فوت ہوئے۔　　(باقی آیندہ)

مذہب اور سائنس

سات آسمان اور زمین

قرآن مجید نے علومِ جدیدہ کی کس طرح رہنمائی فرمائی ہے؟

(از جناب چوہدری محمد عبداللہ صاحبؓ انچارج فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ - ربوہ)

قرآنی اور یونانی نظریہ

قرآن مجید نے سات آسمانوں اور زمین کا متعدد جگہ پر ذکر کیا ہے۔ قدیم یونانی فلسفہ میں بھی سات آسمانوں کا ذکر موجود ہے۔ بادی النظر میں قرآن مجید یونانی تخیّل کی تائید کرتا نظر آتا ہے۔ مگر قرآن مجید پر غور کرنے سے اس کے برعکس ثبوت ملتا ہے۔ اس بارے میں تازہ تحقیقات زیادہ درست ہے اور قرآن کے مطابق ہے۔ اسی موضوع پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۱۳۵ میں رقمطراز فرماتے ہیں کہ:۔

"آج کل کے علم ہیئت کے محققین جو یورپ کے فلاسفر ہیں جس طرز سے آسمانوں کے وجود کی نسبت خیال رکھتے ہیں وہ خیال قرآن کریم کے مخالف نہیں۔"

پھر فرماتے ہیں کہ:۔

"یونانیوں نے آسمان کو اجسامِ کثیفہ تسلیم کیا ہوا ہے اور پیاز کے چھلکوں کی طرح تہ بتہ ان کو مانا ہے اور آخری تہ کا آسمان جو تمام تہوں پر محیط ہو رہا ہے جمیع مخلوقات کا انتہا قرار دیا ہے جسکو وہ فلک الافلاک اور محدد بھی کہتے ہیں جو اُن کے زعم میں مع تین اور آسمانوں کے جن کا نام مدبّر اور جوزہر اور مائل ہے مشرق سے مغرب کی طرف گردش کرتے ہیں اور باقی آسمان مغرب سے مشرق کی طرف گھومتے ہیں اور ان کے گمان میں فلک محدد معمورہ عالم کا منتہا ہے جسکے پیچھے خلا ملا نہیں۔ گویا خدا تعالیٰ نے اپنے ممالکِ مقبوضہ کی ایک دیوار کھینچی ہوئی ہے جسکے ماورا کچھ بھی نہیں خلا نہ ملا۔

یونانیوں کی اس رائے پر جس قدر اعتراض وارد ہوتے ہیں پوشیدہ نہیں۔ نہ صرف قیاسی طور پر بلکہ تجربہ بھی ان کا مکذب ہے...."

قرآن مجید نے آسمان کے طبقات کا ذکر تو فرمایا ہے مگر ان کو پیاز کے چھلکوں کی طرح تہ بتہ قرار نہیں دیا۔ عربی لغت میں سما بلندی کو کہتے ہیں اور سات اور ستر کے اعداد تجرد کثرت کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں۔ پس سات آسمانوں سے مراد یہ ہے کہ بلندی کی مختلف اطراف میں متعدد طبقات پائے جاتے ہیں۔ موجودہ علم ہیئت سے جس طرح اسکی تصدیق ہوتی ہے وہ بہت بصیرت افروز مطالعہ ہے۔

موجودہ علمِ ہیئت کے انکشافات

قرآن مجید اور موجودہ علمِ ہیئت کی مطابقت کے مطالعہ کیلئے پہلے ہیئت جدید کا ایک مختصر سا خاکہ پیش کرنا

ضروری ہے۔ علم ہیئت کے نئے دور کی ابتداء دوربین کے ذریعہ گلیلیو کے مشاہدات سے ہوتی ہے۔ اس نے سب سے پہلے آسمان پر کہکشاں کو دوربین سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ جو دھند ہمیں نظر آتی ہے وہ دراصل بے شمار ستاروں کا جمگھٹا ہے۔ گلیلیو کے بعد تین صدیوں کے عرصہ میں دوربین کو بہتر بنایا جاتا رہا اور نئے نئے انکشافات ہوتے رہے حتیٰ کہ ۱۶۰ انچ ۱۰۰ انچ اور سب سے آخر ۲۰۰ انچ کی دوربین ہیئت دانوں کے استعمال میں آ رہی ہے۔ اس عرصہ میں دوربین ہی پر اکتفا نہیں رہا بلکہ متعدد دوسرے آلات بھی بروئے کار آئے ہیں ان میں سے سب سے اہم مرقب طیفی ہے جس کے ذریعہ ستاروں سے آمدہ روشنی کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔ تجربہ سے معلوم کیا گیا ہے کہ مختلف عناصر معیّن درجہ حرارت پر خاص طول موج کی لہر کا انتشار کرتے ہیں۔ چنانچہ ستاروں کی روشنی کے تجزیہ سے ان کے عناصر کی تعداد، ان کا درجہ حرارت بلکہ ان کی رفتار بھی معلوم کی گئی ہے۔ ستاروں کی جسامت ماپنے کے لئے بہت سے طریق ایجاد کئے گئے ہیں۔ فوٹوگرافی کے ذریعہ ان مشاہدات کو عوام کے مطالعہ کیلئے بھی ممکن الحصول بنایا گیا ہے۔ آجکل تازہ ترین جدت علم ہیئت کے مشاہدات کے لئے ریڈیائی دوربین کی ایجاد ہے۔ اس آلہ کے ذریعہ کائنات کی مختلف گہرائیوں میں سے آنیوالی ریڈیائی لہروں کو حاصل کیا جاتا ہے اور ان کے مطالعہ سے انکے منبع کے متعلق معلومات حاصل کی جاتی ہیں۔

علم ہیئت کے مربوط و مبسوط مشاہدات کے چند مسلّمہ نتائج یہ ہیں کہ ہمارے کرّہ ارض کے قریب ترین سماوی نظام سورج اور اسکے گرد چکر لگانے والے نو سیاروں کا مجموعہ ہے جن میں کرّہ ارض شامل ہے۔ کرّہ ارض سورج سے نو کروڑ تیس لاکھ میل دور ہے۔ زمین کا قطر آٹھ ہزار میل ہے تو سورج کا قطر ساڑھے آٹھ لاکھ میل سے اوپر ہے۔ نظامِ شمسی کا پھیلاؤ ساڑھے تین ارب میل سے کچھ زائد ہے مگر نظامِ شمسی خود کہکشاں کا ایک معمولی سا کونہ ہے اور سورج کہکشاں کے کھربوں ستاروں میں سے ایک اوسط درجہ کا ستارہ ہے۔ کہکشاں کا قطر ایک لاکھ روشنی کے سالوں کے برابر ہے۔ یعنی اس قطر کے ایک سرے سے روشنی ایک لاکھ چھیالیس ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار پر ایک لاکھ سالوں میں دوسرے سرے پر پہنچے گی۔ نظامِ شمسی کو ایک طبقہ آسمان قرار دیا جائے تو ایسے کھربوں طبقات تو خود ہماری کہکشاں میں موجود ہیں مگر ہماری کہکشاں پر معاملہ ختم نہیں ہوتا بلکہ اربوں ارب ایسے سدیم یا سحابیہ مشاہدہ میں آئے ہیں جو ہماری کہکشاں کی طرح ستاروں سے معمور ہیں۔ پھر ایک نئی تحقیق کے مطابق یہ سدائم یا کہکشائیں بھی گروپس یا مجامع کی شکل میں ہیں اور ان مجامع کو بالا کہکشائیں کہا جاسکتا ہے۔

قرآن مجید کا پیش کردہ سماوی نظام

قرآن مجید نے مجامع النجوم کیلئے بُرُوج کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا:—

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ۔ (الحجر) کہ ہم نے آسمان میں بروج بنائے اور اسے دیکھنے والوں کے لئے زینت دی۔ زمین کی روزانہ اور سالانہ گردش کے باعث یہی بروج سیاروں کیلئے راستہ کے طور پر واقع معلوم ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ فلاں سیارہ اس وقت فلاں برج میں ہے اور فلاں ستارہ فلاں برج میں۔ ایک جگہ فرمایا وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ (البروج) ایک اور جگہ فرمایا وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ (الذاریات)۔ حبك کے معنے راستے اور شدید الخلق کے بھی ہیں۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ (النازعات) کیا تمہارا وجود زیادہ شدید الخلق ہے یا آسمان کا۔ انسان بسا اوقات بھول جاتا ہے کہ کائنات میں اس کا مقام کیا ہے

غور کیا جائے تو جس طرح انسان کی پیدائش ایک حقیر کیڑے سے ہے اسی طرح مادی لحاظ سے کائنات میں اسکا مقام بھی حقیر تر ہے ہیئت دانوں کی تحقیق کے مطابق نظامِ شمسی کہکشانی سدیم کے وسط میں نہیں بلکہ ایک کونے میں واقع ہے۔ یونانی ہیئت میں جو کرۂ ارض کو تمام کائنات کا مرکز بیان کیا جاتا تھا وہ سراسر غلط ثابت ہو چکا ہے۔ خود سورج جو زمین سے حجم میں تین لاکھ گنا بڑا ہے۔ کہکشاں کے کھربوں ستاروں میں ایک اوسط درجے کا ستارہ ہے۔ پھر کہکشانی جہان جیسے اربوں اور سدیم کائنات میں مشاہدہ کئے جا چکے ہیں۔ ایک اور نقطۂ نگاہ سے اسے دیکھئے تو زمین کے اندر جو قوتیں بروئے کار ہیں وہی انسان کے لئے کچھ کم جان لیوا نہیں مگر زمین کی حیثیت سورج کے مقابل حرارت اور توانائی کے لحاظ سے قطعاً بے وقعت ہے بلکہ زمین پر تمام جاندار مخلوق کا وجود مادی لحاظ سے سورج سے حاصل کردہ حرارت پر ہے ایسے ستارے بھی مشاہدہ کئے گئے ہیں جو سورج سے لاکھوں کروڑوں درجہ زیادہ حدت رکھتے ہیں۔ پس انسان کی اگر کوئی وقعت کارخانۂ عالم میں ہے تو محض اس وجہ سے کہ اس نے خرقۂ روحانیت کو قبول کیا ہے اور اس نے الٰہی بارِ امانت کے اٹھانے کے لئے لبّیک کہا ہے جو روحانی اعتبار سے ساری کائنات اسکے علاوہ اٹھانے سے قاصر ہے۔ کائنات کے بارے میں مذکورہ انکشافات اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی بھی تصدیق کرتے ہیں کہ:-

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ

(حٰم السجدہ ع) ہم انہیں آفاقی اور نفسی نشانات دکھائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے اختلاف میں ذی عقل انسانوں کے لئے نشانات ہیں۔ پھر فرمایا کہ اولی الالباب یعنی وہ لوگ جو چھلکے پر قانع نہیں بلکہ گودے کو حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کی ایک طرف تو یہ حالت ہے کہ وہ اُٹھتے بیٹھتے اور پہلو پر لیٹے جانِ حقیقت یعنی ذاتِ باری کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں دوسری طرف وہ کائنات کی پیدائش پر غور کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں ان کی فطرت پکار اٹھتی ہے کہ اے ہمارے رب! تو نے یہ کارخانہ عبث نہیں بنایا۔ پھر اس مطالعہ اور مشاہدہ کے نتیجہ میں وہ اللہ تعالیٰ سے عذاب النار سے بچنے کی دعا مانگتے ہیں (آل عمران ع ۲۰) علم ہیئت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات میں بے پناہ آگ کے دہکتے ہوئے عظیم الجثہ کُرّے موجود ہیں جو چشم زدن میں انسان کی دُنیا بھسم کر سکتے ہیں۔ پس کائنات کے مطالعہ سے ایک ذی عقل کو یہی نتیجہ اخذ کرنا سزاوار ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے عذاب النار سے محفوظ رکھے۔ سورۂ آل عمران کی جن آیات کا ترجمہ اوپر تحریر کیا گیا ہے ان کے تسلسل میں آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان کو اس امر کا بھی احساس چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی تقدیر کے ماتحت جسے آگ کے عذاب میں داخل کر دے تو وہ بے یار و مددگار رہ جاتا ہے اور اس کی کس میرسی کی حالت بے مثال ہوتی ہے۔ چنانچہ دیکھ لیجئے انسان نے کائنات کے مشاہدہ اور مطالعہ کے نتیجہ میں علمی ترقی کی تو ستاروں کے اندر عناصر کے قلبِ ماہیت کا عمل جو مسلسل ہوتا رہتا ہے خود بھی استعمال میں لانا چاہا مگر تعمیر سے قبل تخریب کا پہلو اختیار کر لیا اور اٹیم بم یا ہائیڈروجن بم ایجاد کیا۔ اب تمام دُنیا اس فکر میں ہے کہ ایسے بم آئندہ استعمال کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے لیکن اس مشکل کا عملی حل دستیاب نہیں ہو رہا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یہ لاکھ سر پٹکیں اس مشکل کا اصل حل یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مامور کی طرف رجوع کریں اور اپنی سرکشی اور تمرد کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور بخشش طلب کریں۔ رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا ۚ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ۔

اس آیت کے مضمون سے سیاق و سباق کے لحاظ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ ان آفاقی انکشافات کے وقت ایک مامور من اللہ کا ظہور بھی ہوگا جو فی الواقع دوسری تمام پیشگوئیوں کے مطابق مسیح موعود علیہ السلام کے سوا کوئی نہیں۔

آسمانی کائنات میں نشانات

قرآن مجید نے جو یہ فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں نشانات ہیں تو اس میں ایک زبردست دلیل موجود ہے جس کا اندازہ علم ہیئت کے مطالعہ سے ہی کچھ صحیح طور پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر فرماتا ہے کہ وَإِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ (الانشقاق) وَإِذَا السَّمَاءُ فُرِجَتْ (المرسلٰت) نیز فرمایا کہ وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ (التکویر) کہ ایک وقت آسمان کی گویا کھال اُدھیڑ دی جائے گی اور اس کی وسعتوں میں سمائے ہوئے راز منکشف ہوں گے۔ یہ تمام طرز بیان ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے مراحل اور مدارج انسان کے مشاہدہ اور مطالعہ کے لئے معرض وجود میں رکھے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات کے مقابل اب واقعات یہ ہیں کہ انسان نے علمی تحقیق و تدقیق کے میدان میں کافی ترقی حاصل کر لی ہے اور امریکہ میں کوہ پالومر پر نصب کردہ دو سو انچ قطر کی دوربین سے کائنات مشہود و معلوم کا قطر دو ارب روشنی کے سال ہیں یعنی روشنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے کائنات کے معلوم حصہ کے قطر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک دو ارب سال میں پہنچ سکتی ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ بعید ترین نظر آنے والے ستارے یا سدیم کی روشنی جس کا ہم آج مشاہدہ کر رہے ہیں ایک ارب سال زمانہ ماضی میں ان ستاروں یا سدیموں سے منتشر ہوئی تھی۔ بعید کے ستاروں سے قریب کے ستاروں تک ارب سال گذشتہ سے لے کر آج تک کے کائنات کے حالات اس طور پر ہمارے مشاہدہ کے لئے موجود ہیں گویا کہ ارب سال سے کائنات میں جو تغیرات ہوئے ہیں وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں چنانچہ ستاروں کے حالات کے مشاہدہ سے ہیئت دانوں نے تخلیق عالم کے مدارج کا تعین کیا ہے۔

مختصر یہ کہ بے ترتیب مادہ ثقل کے اصل پر کسی غیر معین محرک کے نتیجہ میں ایک مرکز پر جمع ہونا شروع ہو جاتا ہے اور اس مجموعہ میں گردش جاری ہوتی ہے۔ آسمان پر اربوں ارب میل پر پھیلے ہوئے ایسے ٹکڑے نظر آتے ہیں جو نیبولا یا سدیم کی شکل اختیار کرتے ہیں جس کی شکل بالعموم ایک پہیے کی طرح ہوتی ہے جس کے محیط پر متعدد بازو اس شکل کے نظر آتے ہیں جو کسی کپڑے کو ہوا میں ہاتھ سے گول دائرہ میں لہرانے سے بن جاتی ہے۔ اس کی مثال ایسے بھی دی جا سکتی ہے کہ گویا متعدد کاغذات کا لپیٹا ہوا پلندہ کھل رہا ہو۔

بڑا بصیرت افروز یہ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بعینہٖ اسی مثال کے ساتھ کائنات کی تکوین بیان فرمائی ہے۔ پہلے اللہ تعالیٰ ایک جگہ فرماتا ہے أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا ۖ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ۔ (انبیاء ع) یعنی کیا منکر لوگ نہیں دیکھتے کہ آسمان اور زمین پہلے بند تھے پھر ہم نے انہیں کھول دیا۔ اس کھولنے کی تشریح تخلیق کے اگلے مرتبہ سے ہوتی ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۚ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ (انبیاء ع) ایک دور میں اللہ سماوی مظاہر کو لپیٹ لیتا ہے جیسے بہت سے خطوں کا پلندہ لپیٹ لیا جاتا ہے۔ فرمایا جس طرح تخلیق اس سے قبل ہوئی تھی اسی طرح اس کا اعادہ بھی ہوتا ہے۔ یعنی یہ طریقہ خلق ایک سنت مستمرہ ہے۔ علم ہیئت کے مشاہدات

بھی بتاتے ہیں کہ نیبولائی ہیئت کے بعد ستارہ یا سورج کا وجود ظہور پذیر ہوتا ہے اور اس سے دوسرے ماتحت نظام ظہور میں آتے ہیں۔ نیبولائی حالت سے ستارہ تک کے ارتقاء کی مختلف تشکلیں آسمان کے مختلف حصوں کے فوٹوگراف کرنے سے حاصل کر کے ہیئت کی مستند کتابوں میں درج کی گئی ہیں۔ مزید مطالعہ کا شوق رکھنے والوں کو کواکب ۳۳۷۹ء N.G.C، ۴۶۲۱ء N.G.C، ۳۱۱۵ء N.G.C، ۴۵۹۴ء N.G.C، ۴۵۶۴ء N.G.C کی تصاویر ہیئت کی کتب میں دیکھنی چاہئیں۔ اسی طرح سحاب M ۵۱، M ۸۱ دب اکبر اور M ۱۰۱ دب اکبر بھی قابل دید ہیں۔ M ۳۱ مرأۃ المسلسلہ کی مختلف تصاویر بھی نہایت دلچسپ ہیں۔ ۲۴۰۳ N.G.C، ۱۴۷ N.G.C اور ۴۴۵۶ N.G.C بھی مذکورہ بالا موضوع پر براہ راست روشنی ڈالتے ہیں۔

کسی سدیم یا کہکشاں کی گردش آسانی سے مشاہدہ میں نہیں آسکتی۔ اس کے مطالعہ کے لئے صدیاں درکار ہیں مگر صدیوں ہی کے مشاہدات سے علم ہیئت کے ماہرین اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ ایسی گردش یقیناً موجود ہے۔ نظامِ شمسی کے متعلق جب ہیئت دان یہ کہتے ہیں کہ زمین اور دیگر آٹھ سیارے مع اپنے چاندوں کے سورج کے گرد چکر لگاتے ہیں اور ہم کو جو سورج روزانہ طلوع کرتا اور غروب ہوتا نظر آتا ہے وہ دراصل نتیجہ ہے زمین کی روزانہ گردش کا جو یہ اپنے محور کے گرد ۲۴ گھنٹے میں پورا کرتی ہے۔ تو اس سے یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہیئے کہ سورج بالکل ساکن ہے بلکہ کہکشاں کے مرکز کے گرد سورج اپنے سیاروں سمیت گردش کر رہا ہے اور آیت قرآنی وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا (یٰس) بالکل درست ہے۔

سدائم یا ستاروں کی ایک حرکت کا ذکر باقی ہے اور اس کا انکشاف مرقب طیفی کے ذریعہ کیا گیا ہے۔ بعید ترین ستاروں سے آمدہ روشنی کے تجزیہ سے معلوم ہوا ہے کہ یہ ستارے بڑی تیز رفتاری سے ہم سے مزید بُعد اختیار کر رہے ہیں جس کو وسعت پذیر کائنات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ بھی ہے کہ دُور جانے والے ستارے ماند پڑ جائیں۔ قرآن مجید میں ستاروں کے بکھرنے یا ایک دوسرے سے دُور جانے کا ذکر موجود ہے۔ اسی طرح ستاروں کے ماند پڑ جانے کا بھی ذکر آتا ہے۔ چنانچہ فرمایا وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ (الانفطار) اور جب ستارے بکھر جائیں گے۔ وَإِذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ (المرسلٰت) وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ (التکویر) جب ستارے ماند پڑ جائیں گے۔

شہبِ ثاقب کی حقیقت

قرآن مجید میں سورج چاند اور شہب کا متعدد بار ذکر آیا ہے۔ اسی طرح سیاروں کا ذکر بھی آیا ہے اور مواقع النجوم کا بھی۔ سورج کو اللہ تعالیٰ نے سِرَاجًا وَّهَّاجًا فرمایا ہے۔ یعنی وہ ذاتی طور پر روشن ہے۔ چاند کو اکتساب نور کرنے والا فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَاهَا جس کے معنے یہ بھی ہیں کہ "اور چاند جب کہ وہ روشنی حاصل کرتا ہے۔" سورج اور چاند کی منازل کا ذکر بھی فرمایا ہے اور ان سے عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ معلوم ہونے کا ذکر بھی فرمایا ہے (یٰس)

شہب کا ذکر روحانی واردات کے ضمن میں آیا ہے مگر ان کو قرآن مجید نے صاف طور پر شُوَاظٌ مِّن نَّارٍ فرمایا ہے۔ شہب دراصل پتھر کے وہ کروڑوں سنگریزے اور دھاتوں کے بڑے چھوٹے ٹکڑے ہیں جو بیرونی دُنیا سے ہر روز فضائے ارضی پر وارد ہوتے

ہیں۔ سطح زمین سے قریباً ایک سَو کیلومیٹر بلندی پر طبعی حالات کے سبب یہ سخت گرم ہوجاتے ہیں یہاں تک کہ پگھل کر بخارات میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔ ارضی فضا کا یہ حصہ گویا اس زبردست بوچھاڑ کو جذب کرلیتا ہے۔ شہب پہلی رات بھی کچھ نظر آتے ہیں مگر آدھی رات کے بعد زیادہ تعداد میں نظر آتے ہیں۔

سیاروں کا ذکر قرآن مجید نے ان کی ظاہری مخصوص نقل وحرکت کے حوالہ سے کیا ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۝ (التکویر)

یہاں سیدھا چلتے چلتے اُلٹا چلنے یعنی رجعت قہقری کے مرتکب نظر آنے والے سیاروں کا ذکر ہے۔ اِس نقل و حرکت کی طرز سے نظام شمسی کی ہیئت پر روشنی پڑتی ہے۔ سورج کے گرد سیاروں کے مدار بیضوی ہیں اور بعض دفعہ زمین اور دوسرا کوئی سیارہ اپنے اپنے مدار پر ایک ہی سمت میں جا رہے ہوتے ہیں اور زمین دوسرے ستارے سے آگے نکل جاتی ہے۔ اہل زمین کو اس وقت یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا سیارہ تھم کر اُلٹا چلنے لگا ہے یعنی رجعت قہقری زمین اور سیارہ کی نسبتی رفتار کا نتیجہ ہے۔ سیاروں کی طرف ایک بالواسطہ اشارہ دوسری جگہ بھی آیا ہے۔ فرمایا۔ اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ۝ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ۝ (الفرقان ع۳) یہاں اللہ تعالیٰ نے سایہ کے پھیلاؤ کو ایک رحمت قرار دیا ہے اس امر کی اہمیت سیارہ عطارد کے حالات مشاہدہ کرنے سے واضح ہوتی ہے۔ سیارہ مذکور سورج کے قریب سب سے چھوٹے مدار پر گردش کرتا ہے اور اس کا ایک ہی معین رُخ ہمیشہ سورج کی طرف رہتا ہے جس کی وجہ سے یہ سایہ سے محروم ہے اور شدید گرمی سورج سے حاصل کرتا ہے۔ اس کی سطح پر اسی لئے زندگی کے آثار قطعاً ناممکن ہیں۔ زمین کی محوری گردش اور سالانہ گردش کا تناسب عطارد کی سایہ سے محرومی کی مثال زمین کو بننے سے روکتا ہے۔ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝ (انبیاء ع۲) رات اور دن کے اختلاف میں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آیات یعنی نشانات پائے جانے کا ذکر فرمایا ہے۔ (آل عمران)

مواقع النجوم کا مطلب

قرآن مجید میں ایک جگہ مواقع النجوم کو اللہ تعالیٰ نے شہادت کے طور پر پیش کیا ہے اور فرمایا ہے کہ "وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ" (الواقعہ ع۳) اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ بیان فرمایا ہے "وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى" (النجم)

نجوم کے گرنے یا زمین کے قریب آنے کا منظر انسان کو تو دُمدار ستاروں کا ہی عموماً دکھائی دیتا ہے۔ دُمدار ستارے دراصل سیاروں کی ہی ایک قسم ہے جو سورج کے گرد بہت لمبے بیضوی مداروں پر چلتے ہیں۔ دُمدار ستارا "ہیلی" سنہ ۱۹۱۰ء میں ظاہر ہوا تھا اور اب سنہ ۱۹۸۶ء میں دوبارہ دکھائی دے گا۔ سنہ ۱۸۴۳ء میں ایک عظیم دُمدار تارہ ظاہر ہوا تھا جس کے سر ہی کا قطر دس لاکھ میل تھا اور دُم تقریباً بیس کروڑ میل لمبی تھی۔ چھوٹے چھوٹے دُمدار تارے دوربین کے ذریعہ سال میں کئی بار دیکھنے میں آتے ہیں مگر مواقع النجوم اور والنجم اذا ھوی کا ذکر جو قرآن مجید میں مذکور ہے اس سے مراد اس سے بھی زیادہ اہم واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ اس سے مراد کہکشانی نظام کے اندر کسی بہت بڑے ستارے کا تیز رفتاری سے سورج کے قریب سے ہو کر گذر جانا

ہے۔ یہ واقعہ انسان کے وجود سے اربوں سال قبل کا ہے جب اس بہت بڑے ستارے کی آمد کی وجہ سے سورج میں ایک زبردست ہیجان پیدا ہوا اور اس کا بہت بڑا حصہ مدوجزر کی شکل میں نمودار ہوا جو نووارد ستارے کی کشش ثقل کے باعث تھا۔ اسی ہیجانی کیفیت میں سورج میں سے گویا کہ ایک بازو کی شکل میں مادہ بہت دور یعنی اربوں میل تک نکل گیا۔ نووارد ستارہ تو گذر گیا مگر سورج کا یہ بچھڑا ہوا حصہ سورج کے گرد بیضوی مدار پر چکر لگانے لگا۔ کروڑوں سال کے عرصہ میں یہی مادہ سورج جیسی گرمی کھو بیٹھا اور سیاروں کی شکل میں نمودار ہوا جو ابتداء میں آگ ہی کے بگولے تھے مگر رفتہ رفتہ مختلف ارتقائی حالتوں میں سے گذر کر منجمد ہو گئے اور ٹھوس شکل اختیار کر گئے اور اسی کے نتیجہ میں دوسرے سیاروں کی طرح کرۂ ارض بھی معرض وجود میں آیا۔

قرآن مجید میں دوسری جگہ مذکورہ بالا مضمون کی تصدیق ہوتی ہے چنانچہ سورۂ حٰم سجدہ ع ۲ میں اللہ تعالیٰ تخلیق کرۂ ارض کا ذکر فرماتا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ زمین کی پیدائش دو دوروں میں ہوئی۔ پہلے دور کی کیفیت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ آگے زمین کی فضاء کی درستی کا ذکر فرماتا ہے تو اس کے لئے بھی دو دور ہی قرار دیتا ہے۔ ابتداء میں "دخان" کی کیفیت تھی۔ پس زمین کی تخلیق کا ابتدائی دور بھی ایک کرۂ نار کا قوام تھا۔ دوسرے دور کی کیفیت کے متعلق فرمایا:۔ "وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ" یعنی دوسرے دور کی ابتداء پہاڑوں کے وجود سے ہوئی۔ زمین نیم سیال حالت سے جب مکمل طور پر ٹھوس شکل اختیار کرنے لگی تو دباؤ کے توازن کے لئے زمین کے بعض حصے پہاڑوں کی شکل اختیار کر گئے۔ پہاڑ گویا کہ اَوْتَاد یعنی میخیں تھیں جنہوں نے زمین کو پُرامن شکل میں جکڑ دیا۔ (النباء) اس امر کا ذکر ایک اور جگہ اس طرح فرمایا کہ:۔ "خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَأَلْقٰى فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ" (لقمٰن ع ۲) یعنی پہاڑوں کا وجود زلزلوں کی روک تھام کے لئے تھا۔ زمین کے جن چار ادوار کا سورہ حٰم سجدہ میں اوپر کے دو دوروں کے علاوہ ذکر کیا گیا ہے وہ زمین پر زندگی کے نشو و نما سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ ایک علیحدہ مضمون علم طبقات الارض کے ماتحت قابل ذکر ہے۔

اجرامِ فلکی میں زندگی

زمین کے علاوہ دوسرے اجرام فلکی میں زندگی کا ظہور فلکیات کا ایک معرکۃ الآراء موضوع ہے۔ قرآن مجید نے ایک جگہ فرمایا ہے:۔ "وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ" (الشوریٰ ع ۳) یعنی آسمانوں اور زمین دونوں میں چوپائے یا زمین پر چلنے والے جانور بستے ہیں۔ سیارہ مریخ کے متعلق ثابت ہے کہ اس کے قطبین پر برف پائی جاتی ہے پس پانی جو زندگی کی بنیاد ہے وہاں موجود ہے آخر زمین پر بھی ایک وقت آیا ہے کہ اس پر عجیب و غریب نوعیت کی مخلوق آباد تھی جن کو Dinausers وغیرہ کے نام دیئے جاتے ہیں۔ ان جانوروں کے ڈھانچے آثار قدیمہ میں سے ملتے ہیں۔

سات زمینیں

کرۂ ارض کے متعلق قرآن مجید کی ایک اور آیت قابل غور ہے فرمایا:۔ "هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ" (الطلاق ع ۲) بعض پرانے مفسرین نے اس سے زمین کے سات طبقات مراد لئے ہیں جو پیاز کے

چھلکوں کی طرح تہ بتہ ہیں۔ زیادہ قرینِ عقل معنے زمین کے جغرافیائی طبقات ہیں مگر ایک واضح قرینہ یہ ہے۔ کہ زمین سے پیدا ہونے والی فضاء کا وجود سبع سموٰت کے مقابل اس جگہ مراد لیا جائے۔ پس آیت کے معنے یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات نے ہی سات آسمان اور زمین میں سے ان کی مانند بنائے۔ لطف یہ ہے کہ ارضی فضاء کے موٹے موٹے طبقات بھی سات ہی ہیں۔ اول ٹروپوسفیر جو اوسطاً میل بلندی تک ممتد ہے۔ یہ حصہ جانداروں کی زندگی کے لئے عین متناسب درجۂ حرارت اور مقدار مختلف گیسوں کی رکھتا ہے۔ اسی میں بادل چلتے پھرتے ہیں۔ اس حصہ میں درجۂ حرارت اوپر کی طرف بتدریج کم ہوتا جاتا ہے۔ اس کے بعد STRATOSPHERE سٹریٹوسفیر شروع ہوتا ہے۔ اس حصہ میں درجۂ حرارت یکساں رہتا ہے۔ پھر اوزون گیس کا طبقہ آتا ہے۔ اس حصہ میں ابتدائی آفاقی شعاعیں (Cosmic Rays) جذب ہوتی ہیں جو زمین کی سطح تک پہنچنے پر مہلک ثابت ہو سکتی ہیں۔ یہ آفاقی شعاعیں آجکل طبیعاتی تحقیقات کا اہم موضوع ہیں۔ ۴۲ میل بلندی سے ۴۸ میل بلندی تک دو اہم پہلو فضاء کے مشاہدہ میں آتے ہیں۔ ایک تو سوڈیم اور آکسیجن کا وجود ہے جس کی وجہ سے صبحِ کاذب کی روشنی اور آرورا کے عجیب و غریب نظارے معرضِ وجود میں آتے ہیں۔ دوسرے برقی ذرات کا ایک سلسلہ یہاں سے شروع ہوتا ہے۔ آکسیجن بھی یہاں اپنی شکل بدلتی ہے اور جوہری آکسیجن بن جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے سورج کی بہت سی شعاعیں اس میں جذب ہو جاتی ہیں۔ اسی جگہ پر شہب کا مقام فنا ہے۔ چھٹا اور ساتواں طبقہ برقی ذرات کے دو طبقات ہیں جو دن کے وقت الگ الگ اور رات کو ایک مسلسل شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ موخر الذکر طبقات ریڈیو کی آواز دنیا کے ہر گوشہ میں پہنچنا ممکن بناتے ہیں۔ درجۂ حرارت اوزون گیس کے غلاف سے بڑھنا شروع ہوتا ہے مگر ۳۲ سے ۵۰ میل کے علاقہ میں پھر کم ہونا شروع ہوتا ہے۔ اس کے بعد مسلسل بڑھتا ہے یہاں تک کہ ارضی فضاء کے اختتام پر ۱۸۰۰ درجہ فارن ہیٹ تک جا پہنچتا ہے۔ ارضی فضاء کی تبدیلیوں کے متعلق ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا (انبیاء ع) اس کی صداقت اوپر کے بیان سے ظاہر ہے۔

اجرام فلکی میں رابطہ

ایک نہایت دلچسپ موضوع بحث آجکل بین السیارات سفر ہے۔ قرآن مجید میں بھی اس موضوع پر ارشادات ملتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا: "یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ۔" (الرحمٰن ع) یعنی اے جنّ و انس کے گروہ اگر تم میں طاقت ہے تو آسمانوں اور زمین کی حدیں پھلانگ جاؤ مگر تم ایسا کر نہیں سکو گے سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں نصرت حاصل ہو۔

آجکل انگلستان اور امریکہ میں ایسی سوسائٹیاں موجود ہیں جو چاند پر پہنچنے بلکہ مریخ کا سفر اختیار کرنے کے پروگرام بنا رہی ہیں اور اس سلسلہ میں راکٹس ایجاد کئے جا رہے ہیں جن کے ذریعہ ایسا سفر اختیار کرنا مقصود ہے۔

قرآن مجید نے ایک اور جگہ فرمایا:-

"وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِیْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ
وَهُوَ عَلٰی جَمْعِهِمْ اِذَا یَشَآءُ قَدِیْرٌ"
(الشوریٰ ع ۳)

یہاں اللہ تعالیٰ نے مختلف اجرامِ فلکی کی مخلوق کو جمع کرنے کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ مگر یہ تقدیر الٰہی کب اور کس طرح

ظاہر ہوگی اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے انسان کی ہمت اور پروازِ تخیل قابلِ داد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاند اور سورج کی تسخیر انسان کی خاطر قرآن مجید میں بیان کی ہے (سورۃ ابراہیم) مگر یہ تسخیر کئی رنگ کی ہو سکتی ہے۔ ایک تو یہی کہ نظامِ شمسی انسان کے وجود کے لئے مناسب حالات پیدا کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ چاند اور سورج کی روشنی سے انسان کو براہِ راست فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی کہ انسان سورج کی روشنی اور حرارت کو صنعتی ضروریات کے لئے حاصل کرنے کی جدوجہد میں ہے اور بہت حد تک کامیابی حاصل بھی کر چکا ہے۔ یا جیسا کہ مضمون کے پہلے حصہ میں ذکر کیا جا چکا ہے انسان نے سورج کے اندر عناصر کے قلبِ ماہیت کے عمل کو آلاتِ سائنس کے ذریعہ جانچا ہے اور اب اسی اصول پر ایٹم بم اور ایٹمی طاقت پر مبنی مفید استعمالات کو معرضِ وجود میں لا چکا ہے۔ مگر چاند کی تسخیر کے معنے ضروری نہیں کہ چاند کا سفر اختیار کر سکنا بھی ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قرآن مجید میں آسمانوں اور زمین کا ذکر روحانی مضامین بیان کرنے کے لئے بھی اکثر آیا ہے۔ ایک تو یہی فرمایا "وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ" (آل عمران ع) مومن کی جنت زمین و آسمان کی تمام وسعتوں میں پھیلی ہوئی ہے اسے ہر طرف اللہ تعالیٰ کے نشانات جلوہ گر نظر آتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

کس قدر ظاہر ہے نور اس مبدء الانوار کا
بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا
ہے عجب جلوہ تری قدرت کا پیارے ہر طرف
جس طرف دیکھیں وہی رہ ہے ترے دیدار کا
چشمۂ خورشید میں موجیں تری مشہود ہیں
ہر ستارے میں تماشا ہے تری چمکار کا

پھر ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ "يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ○ (ابراہیم ع) روحانی دنیا گویا کہ نئی زمین اور نیا آسمان ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے واحد اور قہار ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ اس احساس کا کامل ظہور حیات الآخرت میں مقدر ہے۔ پس آسمانوں اور زمین کے مضامین ظاہری اور روحانی دونوں اعتبار سے قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ ضرورت یہ ہے کہ قرآن مجید اور مطالعہ قدرت کو یکجا طور پر جاری رکھنے کی عادت ڈالی جائے تا کہ ایمان کو بصیرت کی چاشنی حاصل ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ مقصدِ پیدائشِ انسانی بدرجہ اتم پورا ہو۔ انسان کو وسعتِ نظر اختیار کرنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر روحانی زندگی کی تکمیل ناممکن ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مطالعۂ قدرت پر قرآن مجید میں زور دیا ہے۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ (یونس ع)

زمین و آسمان کی پیدائش بہت بڑے اسرار کی حامل ہے انسان کے لئے سارا خزانۂ علم اللہ تعالیٰ نے کھلی کتاب کی شکل میں رکھ دیا ہے اب اسے پڑھنا انسان کا کام ہے۔ علم کے موجودہ دور کی ترقی کے باوجود اگر لوگ تاریکی میں رہنا پسند کریں تو یہ منشائے الٰہی کی خلاف ورزی ہے۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ
مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ
النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (المؤمن ع)

مکتبۂ الفرقان

ہمارے ذریعہ سے آپ ہر قسم کی مذہبی کتابیں طلب فرما سکتے ہیں۔ ہم عربی ممالک سے بھی علمی و ادبی کتابیں منگوانے کا انتظام کر رہے ہیں۔ آپ ہم سے کتابیں خرید کر تعاون فرمائیں!

مینیجر مکتبہ الفرقان ربوہ

اس دَور میں

نتیجۂ فکر جناب راجہ نذیر احمد صاحب ظفر موپفانہ (فاضل)

[آئندہ آنے والی بیشتر نسلیں انشاء اللہ حقیقی اسلام کی آغوش میں آنکھ کھولیں گی۔ اس وقت شاید تاریخ کی ورق گردانی کئے بغیر ہمارے موجودہ ماحول کا تصوّر ان کے لئے ناممکن ہو اسلئے اس دَور کا (جس میں ہم دینِ حق کو پھیلانے کی جدّ و جہد کر رہے ہیں) ایک ہلکا سا خاکہ اِس نظم میں کھینچنے کی کوشش کی گئی تا کہ سند رہے ..... ظفر]

عُلوم و فنون

کہتا ہے کوئی لیلیٰ و مجنوں کی حکایات — پڑھتا ہے فلاطون کے کوئی باسی مقالات
کوئی جھانکتا ہے زیرِ زمیں کیا ہیں خزینے — اور دُھن ہے کسی کو کہ کرے سیرِ سمٰوات
تُو فلسفہ و شعر میں یکتائے زمانہ — ہیں عالمِ دُنیائے نباتات و جمادات
گو علمِ معیشت میں نئے باب کھلے ہیں — کچھ کم نہیں اس دَور میں سائنس کے کمالات
ذرّوں کو ہے انسان نے ایٹم میں یوں ڈھالا — شہروں کو دھنک دیں جو پھٹیں انکے یہ ذرات

مذہب

دُنیا کے مذاہب کی حقیقت کو نہ پُوچھو — کچھ باتیں ہیں کچھ قصّے ہیں کچھ کُہنہ رُسُومات
ٹوٹا ہے کلیسا کا فسوں رُوس میں لیکن — پھر ہند میں پنڈت نے تراشا ہے مہالاتؔ[1]
اسلام ہے تکمیلِ تمنّا کا ذریعہ — بازیچۂ اطفال ہیں قرآن کی آیات
زاہد سے ہر اک رند ہے ہمّت میں زیادہ — ویران مساجد ہیں یہ آباد خرابات
مُلّا ہے فقط کُہنہ روایات کا بندہ — صوفی ہے گرفتارِ طلسماتِ کرامات

سیاست

ہیں اہلِ سیاست کے عجب کھیل نیارے — یاں ٹوٹتی ہیں ٹوٹ کے بنتی ہیں وزارات
گدّی کے تحفّظ کی اسے فکر ہے لاحق — ہیں عہدہ و کُرسی و خطاب اسکی فتوحات

---

[1] بُت

پھرتا ہے کوئی لیکے غریبوں کی شکایات — دیتا ہے کوئی اُن کی تسلی کو بیانات
اُلٹے نظر آتے ہیں ہمیں بحث میں اُن کی — ہر چند جو سیدھے ہیں پیادے ہیں خیالات
اقوام میں کچھ ربط نہیں اس سے سوا اور — ہوتے ہیں سوالات تو ملتے ہیں جوابات

معاشرہ

دُنیا میں غریبوں کو میسّر نہیں کُٹیا — ہر مُلک میں گو سینکڑوں ہیں میرِ عمارات
واں مخمل و کمخواب سے ہے فرش کی زینت — یاں برہنہ تن پھرتے ہیں بازار میں ہیہات
اے پیرِ فلک تُو ہی بتا آنکھ سے تیری — ایسی بھی کسی دَور میں دیکھی ہے مساوات؟
افلاسِ زر و مال پہ اخلاق کا افلاس — دو طرفہ مصائب یہ آفات پہ آفات
آزادیٔ نسواں ہے کہ بربادیٔ انساں — عورت میں کہاں ہیں جو ہیں عورت کی علامات
اخلاق کی تعلیم نصیحت کی یہ باتیں — ہیں آج کے انسان کے نزدیک خرافات
اس دَور میں احسان فراموش ہیں اکثر — ہے ظلم و بدی نیکی و احساں کی مکافات
مذہب بھی سیاست بھی حکومت بھی وطن بھی — ہر روز کھڑے کرتے ہیں فتنے و فسادات
امید نہیں خیر سے یہ قافلہ پہنچے — مٹتے ہی چلے جاتے ہیں منزل کے نشانات

شعاعِ اُمید!

حالات تو مخدوش نظر آتے ہیں لیکن — بے چشمۂ حیواں[1] نہیں اس دَور کی ظلمات
آفات کا اک کوہِ گراں راہ میں ہوتے — ہمّت کو قوی رکھتی ہیں مہدی کی بشارات
اک روز یہ تاریک فضا چھٹ کے رہیگی — پھُوٹے گی سحر اور گزر جائے گی یہ رات

اک چیز ظفر مانگنے آیا ہے الٰہی ! — پہلے وہ عطا ہو تو کرے اور کوئی بات

کردار کے دریا میں ہو گفتار کا دھارا
ہر بات پہ قادر ہے توانا ہے تری ذات

---

[1] ڈاکٹر اقبال سے تردیدِ خیال کی معذرت کے ساتھ جس نے کہا ہے "حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات"

حضرت مسیح ناصریؑ کے حواری یہودا توما کی ٹیکسلا میں آمد

سر جان مارشل کی کتاب کا ایک اقتباس

قدیم کتاب "توما کے اعمال" پر ایک نظر!

(از جناب شیخ عبدالقادر صاحب۔ لائلپور)

سر جان مارشل متحدہ ہندوستان میں آثارِ قدیمہ کے ڈائریکٹر جنرل تھے۔ انہوں نے سالہا سال کی کھدائیوں کا ریکارڈ شائع کیا ہے۔ قدیم ٹیکسلا کی کھدائی بھی انکی نگرانی میں ہوئی۔ ٹیکسلا کے آثارِ قدیمہ پر ان کی تحقیق کا حاصل تین ضخیم جلدوں کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ یہ کتاب آکسفورڈ یونیورسٹی لندن کی طرف سے ۱۹۵۱ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں "توما کی آمد ہندوستان" کے عنوان کے نیچے سر جان مارشل لکھتے ہیں:-

"شمالی مغربی ہندوستان کے شہنشاہ "گونڈو فارس" (۱۹ تا ۵۰ عیسوی) کے نام سے مغربی دنیا مدت سے شناسا ہے۔ اس شہنشاہ کے زمانہ کے کتبے اور سکے تو اب برآمد ہوتے ہیں لیکن اس سے بہت عرصہ پیشتر توما حواری کے اس مشن سے لوگ واقف تھے۔ جو ہندوستان میں اس نے سرانجام دیا۔ عیسائی لٹریچر میں تیسری صدی عیسوی کے بعض صحیفے "اعمالِ حواریاں" کے نام سے ملتے ہیں جن میں یہ کہانی درج ہے کہ توما حواری ٹیکسلا میں "گونڈو فارس" کے دربار میں آئے۔ اس کہانی کی تفصیل یہ ہے کہ یسوع مسیح کی صلیبی موت کے بعد حواریوں نے قرعہ ڈالا تو توما حواری کا نام ہندوستان کے مشن کے لئے نکلا۔ چنانچہ توما کو کہا گیا کہ وہ ہندوستان کے لوگوں میں جائے اور انجیل کی بشارت اُن تک پہنچائے۔ لیکن توما حواری ہندوستان کے مشن پر جانے کے لئے رضامند نہ تھے۔ اس دوران میں حضرت مسیح ناصری اُن پر خود ظاہر ہوئے۔ آپ نے توما کو اپنے غلام کے طور پر حبان نامی ایک سوداگر کے پاس فروخت کر دیا جسے شہنشاہ "گونڈو فارس" نے ٹیکسلا سے شام میں اس غرض کے لئے بھیجا تھا کہ وہ ایک قابل عمارتی انجینئر اپنے ساتھ لائے۔ چنانچہ حبان کی معیت میں توما حواری سمندر کے راستہ سے ہندوستان پہنچے۔ گونڈو فارس نے اپنے محل کی تعمیر کے سلسلہ میں انہیں متعین کیا۔ اور ضروری سرمایہ بھی مہیا کر دیا۔ اس کے بعد

شہنشاہ کسی فوجی مہم پر روانہ ہوگیا۔ مقدس توما نے وہ روپیہ جو کہ محل کی تعمیر کے سلسلہ میں اسے دیا گیا تھا راہِ خدا میں غرباء میں تقسیم کر دیا۔ جب بادشاہ واپس لوٹا اور اس نے روپے کے مصرف کے متعلق پوچھا تو مقدس توما نے جواب دیا کہ (یہ درست ہے کہ میں نے زمین پر آپ کے لئے کوئی محل تیار نہیں کیا۔ لیکن) یقین جانیئے کہ فردوس میں آپ کے لئے آپ ہی کے دیئے ہوئے سرمایہ سے محل تیار ہو چکا ہے۔ بادشاہ اس پر بہت غضبناک ہوا اور اس نے نہ صرف توما کو بلکہ اُسے لانے والے حبّان سوداگر کو بھی قید میں ڈال دیا۔ اس کے بعد یوں ہوا کہ بادشاہ کا بھائی جاد وفات پا گیا۔ وہ جب فردوس میں داخل ہوا۔ اس نے دیکھا کہ ایک خوبصورت محل اس کے بھائی گونڈوفارس کے نام سے وہاں تعمیر شدہ موجود ہے۔ اُسے بتایا گیا کہ یہ محل اس روپیہ سے تعمیر ہوا ہے جو توما نے شہنشاہ سے لیکر غرباء میں تقسیم کیا۔ اس نظارہ کے بعد بادشاہ کے بھائی جاد کو دوبارہ زندگی دی گئی (دراصل یہ ایک کشفی نظارہ تھا۔ ناقل) اس نے اپنے بھائی شہنشاہ گونڈوفارس سے اس نظارہ کا ذکر کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ توما اور حبّان رہا ہوگئے اور بادشاہ اور اس کا بھائی دونوں حلقہ بگوشِ عیسائیت ہو گئے۔[۱]

گونڈوفورس کے آثار تو ٹیکسلا سے برآمد ہو چکے ہیں۔ اس کے بھائی جاد کے متعلق بھی بعض آثار ملے ہیں۔ چنانچہ سر جان مارشل لکھتے ہیں۔ بعض خاص سکّوں پر گونڈوفورس کے نام کے ساتھ ایک دوسرے حکمران "جودا" یا "جودانا" کا نام ملتا ہے۔ یہ سکّے اس زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں جب گونڈوفارس ابھی "آرتھنگس" کی بادشاہت میں ایک ماتحت حکمران تھا۔

ماہرین آثار قدیمہ کا یہ خیال ہے کہ ہو سکتا ہے۔ کہ "جودا" دراصل "جاد" ہی ہو۔ جسے مسیحی روایات میں گونڈوفارس کا بھائی ظاہر کیا گیا ہے۔ "جاد" اور "جودا" ایک ہی وجود تھے یا الگ الگ، اس کا فیصلہ مشکلات سے خالی نہیں۔ لیکن مجموعی حیثیت سے ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ بات درست ہے کہ "جودا" اور "جاد" ایک ہی ہیں۔ اسی طرح حاشیہ میں لکھتے ہیں :-

"اسی طرح خرد شتی رسم خط میں ایک قیمتی گوہر پہ "جادس" نام ملا ہے۔ جو کہ میں نے ۱۹۰۳ء میں چارسدہ (پشکلاوتی) میں برآمد کیا۔" (ٹیکسلا از سر جان مارشل جلد اوّل صفحہ ۶۲، صفحہ ۶۳ وحاشیہ)

مزید برآں سر جان مارشل نے اپنی کتاب میں جو سنین کی فہرست دی ہے اس میں بھی ۴۰ عیسوی کے آگے یہ نوٹ موجود ہے کہ اس سال مقدس توما شہنشاہ گونڈوفارس کے دربار میں باریاب ہوئے۔

ہند و فلسطین کے تجارتی تعلقات

سر جان مارشل ثابت کرتے ہیں کہ پہلی صدی عیسوی میں ہند و فلسطین میں تجارتی تعلقات پائے جاتے تھے۔ بری اور بحری تجارت اِن دونوں ملکوں میں جاری تھی۔ ایک جگہ لکھتے ہیں :-

---

[۱] بعض محققین کا خیال ہے کہ وہ باقاعدہ طور پر عیسائیت میں داخل نہیں ہوئے تھے ہاں معتقد ضرور ہو گئے تھے وہ مسیحیت کو رواداری، محبت اور عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

"شمال مغربی ہندوستان اور شام و فلسطین میں اس زمانہ میں تجارتی تعلقات پائے جاتے تھے۔ جس کی شہادت ہمیں بگرام (کابل کے پاس) اور ٹیکسلا سے ملنے والے آثار قدیمہ خصوصاً شیشے کی مصنوعات سے ملتی ہے جو کہ شام و فلسطین سے یہاں برآمد ہوئیں۔" (کتاب ٹیکسلا حاشیہ صفحہ ۶۳)

مشترک آرامی زبان اور آرامی رسم خط

نہ صرف یہ کہ پہلی صدی عیسوی میں ہند و فلسطین میں تجارتی تعلقات مستحکم تھے بلکہ فلسطین میں جو زبان اور جو رسم خط اس زمانہ میں رائج تھا وہی زبان یعنی آرامی اور اس کا رسم خط ٹیکسلا اور شمال مغربی ہندوستان کے دوسرے مقامات پر بھی رائج تھا۔ چنانچہ آرامی زبان اور اسی زبان کے رسم خط میں ٹیکسلا سے ایک کتبہ برآمد ہوا ہے جس کا فوٹو اس کتاب میں شامل ہے۔ (ملاحظہ ہو جلد سوم پلیٹ نمبر ۴۴)

یہاں یہ واضح رہے کہ آرامی زبان سارے مشرق میں اس زمانہ میں انٹرنیشنل حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ سرجان مارشل لکھتے ہیں کہ چونکہ شمال مغربی ہندوستان فارسی بادشاہوں کی مملکت میں شامل رہا۔ ان کی زبان اور رسم خط بھی آرامی تھی اس لئے:-

"اس ذریعہ سے آرامی رسم خط یہاں رائج ہوا بلکہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کسی حد تک آرامی بولی بھی ٹیکسلا اور شمال مغربی ہندوستان کی مقامی آبادی میں استعمال میں لائی جاتی تھی۔" (ٹیکسلا جلد اول صفحہ ۱۵)

سرجان مارشل کے نزدیک شمال مغربی ہندوستان میں آرامی زبان اور رسم خط کا باعث فارسی حکومت تھی لیکن در اصل فارسی حکومت اور یہود کی ان علاقوں میں ہجرت دونوں باعث اس زبان اور اسکے رسم خط کی ترویج کے تھے۔ فارسی حکومت میں اس زبان کو سرکاری حمایت حاصل تھی اور یہود کے ذریعہ یہ زبان اور اس کا رسم خط عوام میں مقبول ہوا۔

اس وضاحت کے بعد ظاہر ہے کہ توما حواری کو اور اس کے بعد حضرت مسیح ناصری کو ان علاقوں میں تبلیغ کیلئے زبان کی سہولت موجود تھی۔ کیونکہ اُن کی زبان آرامی تھی جو کہ یہاں بھی رائج تھی۔ ان کی قوم بھی یہاں آباد تھی اور ہندوستان اور فلسطین میں بری اور بحری راستوں سے لوگوں کا آنا جانا بھی رہتا تھا۔

کتاب "توما کے اعمال" پر ایک نظر

قدیم عیسائی لٹریچر میں توما کی آمد ہندوستان کا ذکر موجود ہے۔ سرجان مارشل نے اس سلسلہ میں تیسری صدی مسیحی کی ایک کتاب توما کے اعمال (Acts of Thomas) کا حوالہ دیا ہے۔ یہ کتاب ڈاکٹر ایم۔ آر۔ جیمس کے مرتب کردہ مجموعہ "دی اپاکرفل نیو ٹسٹامنٹ" میں شامل ہے۔ اس کتاب میں جہاں توما کی آمد ہندوستان کا ذکر ہے وہاں حضرت مسیح ناصری کے ہندوستان آنے کا اشارہ بھی ملتا ہے۔ یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ اصل توما کی کتاب زیادہ تر ان خطوط پر مشتمل تھی جو مقدس توما نے ہندوستان سے لکھے تھے۔

ڈاکٹر کیورٹن کو جنوبی مصر کی خانقاہ سے چند قدیم سامی نسخہ جات ملے ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب کا نام "رسولوں کی تعلیم" ہے۔ ڈاکٹر کیورٹن کا خیال ہے کہ یہ رسالہ دوسری صدی مسیحی کے اوائل یعنی ۱۱۰ء کے قریب لکھا گیا۔ اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ مقدس توما رسول نے ہندوستان سے ایڈیسہ کی سُریانی کلیسا کو چند خطوط روانہ کئے تھے۔ چنانچہ اس کتاب میں مرقوم ہے:-

"رسولوں کی وفات کے بعد کلیسیاؤں میں رہبر اور عامل موجود تھے۔ اور جب تک وہ زندہ رہے انہوں نے عوام الناس کو وہ تعلیم دی جو انہوں نے رسولوں سے پائی تھی۔ انہوں نے اپنی وفات پر اپنے شاگردوں کے سپرد وہ تمام باتیں کر دیں جو انہوں نے رسولوں سے پائی تھیں۔ اور نیز وہ خطوط بھی جو یعقوب نے یروشلم سے اور شمعون نے شہر روم سے۔ یوحنا نے افسس سے اور مرقس نے سکندریہ سے۔ اور اندریاس نے فرگیہ سے اور لوقا نے مقدونیہ سے اور یہوداہ توما نے ہندوستان سے بھیجے تھے اپنے شاگردوں کے سپرد کر دیئے۔ ..... ہندوستان اور اس کے تمام صوبوں نے جو دور سمندر کے ساحل تک پھیلے ہوئے ہیں یہوداہ توما کے رسولی ہاتھ سے کہانت حاصل کی جو اس کلیسیا کا رہبر اور عامل تھا جو اس نے وہاں قائم کی تھی۔ اور جس کے درمیان وہ خدمت گذاری کا کام کرتا رہا"

(Dr, wrights' edition of Ancient Syrias Documents P. 171)

یہی خطوط تھے اور کچھ زبانی روایات تھیں جن کی اساس پر کتاب توما کے اعمال بعد میں مرتب کی گئی۔ یہ اصل کتاب زمانہ قدیم سے ضائع ہو چکی ہے۔ موجودہ توما کے اعمال اصل کتاب نہیں بلکہ اس کی بگڑی ہوئی ایک شکل ہے۔ موجودہ کتاب میں سے سر و پا خارق عادت امور اور افسانوی رنگ داخل کر دیا گیا۔ چنانچہ کلیسیا میں زمانہ قدیم میں بھی یہ کوشش ہو چکی ہے کہ اس کتاب کو الحاقات سے پاک کیا جائے۔ چنانچہ قرون اولیٰ میں بابل کے بشپ "ابدیالس" کے نام پر جو اربوں کے حالات پر مشتمل دس جلدوں میں جو تاریخ تیار کی گئی اس میں کتاب توما کے اعمال کے ان حصوں کو جنہیں وہ الحاقی سمجھتے تھے اور جو خارق عادت امور پر مشتمل تھے حذف کر دیا گیا۔

(ملاحظہ ہو دی اپاکرفل نیو ٹسٹامنٹ صفحہ ۳۶۲)

پادری برکت اللہ صاحب ایم۔ اے کتاب "توما کے اعمال" کے متعلق لکھتے ہیں:-

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب اصل کتاب نہیں ہے ..... ڈاکٹر کارل شمٹ کی صائب رائے درست ہے کہ ۲۰۰ء کے قریب کسی ناستک مصنف نے اصل "توما کے اعمال" کی کتاب کو لیکر دیگر کتب موضوعہ کی شکل اور موضوعہ اعمال کے ڈھانچہ کے مطابق کر کے اس کو ناستک خیالات کی اشاعت کا وسیلہ بنا دیا۔

پس ہمارے خیال میں مقدس توما رسول کے اعمال کی کتاب دراصل پہلی صدی کے آخر یا دوسری صدی میں موجود تھی۔ اور یہ نہایت اغلب ہے کہ یہ کتاب یا تو ان خطوط پر مشتمل تھی جو مقدس رسول نے خود اپنے مبارک ہاتھوں سے ہندوستان سے لکھے تھے یا ان خطوط کی بنا پر اور ان لوگوں کی زبانی بیانات پر مشتمل تھی جو ایڈیسہ سے آکر آپ کی صحبت بابرکت سے (ہندوستان میں) فیض یاب ہوتے تھے۔ یہ اصلی کتاب اب ضائع ہو گئی ہے اور اس کی جگہ ایک ایسی کتاب نے لے لی ہے جس کے مصنف نے چند تاریخی ناموں اور معتبر روایتوں کو لیکر ایک افسانہ گھڑا ہے۔" (مقدس توما رسول ہند صفحہ ۲۷-۲۸)

اس کتاب کے افسانوی پہلو کو الگ کرتے ہوئے تاریخی

انکشافات کی روشنی میں اگر اس کتاب کے واقعات کو پرکھا جائے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح ناصری صلیب پر فوت نہیں ہوئے تھے نہ آسمان پر گئے بلکہ حواریوں کے اندر موجود رہے اور پھر ہندوستان میں بھی آپ کے آنے کا اشارہ ملتا ہے - اس کتاب کے شروع میں لکھا ہے :-

"ہندوستان سے ایک سوداگر آیا ہوا تھا جس کا نام حبان تھا۔ اس کو بادشاہ گنڈا فورس نے بھیجا تھا تاکہ ایک معمار غلام خرید کر لائے - یسوع مسیح نے اس کو دوپہر کے وقت منڈی میں پھرتے دیکھا اور پوچھا کیا تو معمار غلام خریدنا چاہتا ہے ؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں - خداوند نے فرمایا میرے پاس ایک غلام ہے - جو معمار ہے اور جس کو میں فروخت کرنا چاہتا ہوں - یہ کہہ کر آپ نے توما کی جانب اشارہ کیا جو دور کھڑا تھا۔ آپ نے ڈیڑھ سیر چاندی کے عوض اس کو بیچ دیا اور ایک دستاویز لکھدی ..... جب دستاویز تیار ہو گئی تو مسیح نے توما کو حبان کے حوالے کر دیا۔ حبان نے توما سے دریافت کیا کہ کیا یہ شخص تیرا مالک ہے ؟ رسول نے جواب دیا ہاں میرا آقا یہی ہے - چنانچہ دوسرے روز توما حبان کے ہمراہ بحری جہاز کے ذریعہ ہندوستان کے سفر پر روانہ ہو گئے" (دی اپاکرفل نیو ٹسٹامنٹ "کتاب توما کے اعمال")

اس قصہ پر غور کیجئے - واقعہ صلیب کے بعد کا یہ واقعہ ہے جب کہ نصاریٰ کے نزدیک حضرت مسیح ناصری آسمان پر بیٹھے ہوئے تھے - لیکن یہاں حضرت مسیح ناصری بنفس نفیس موجود ہیں - حبان کے ساتھ توما کا سودا طے ہوتا ہے ؛ دستاویز لکھی جاتی ہے - توما کو سپرد کیا جاتا ہے کیا یہ سارا واقعہ ظاہر نہیں کرتا کہ حضرت مسیح ناصری زمین پر موجود تھے - لیکن اس واقعہ سے پہلے یہ ذکر ہے کہ حضرت مسیح ناصری توما پر خواب میں ظاہر ہوتے - اس کے معاً بعد آپ کی ظاہری موجودگی کا ذکر صاف ظاہر کرتا ہے کہ اصل واقعہ سے توجہ ہٹانے کے لئے یہ خواب گھڑا گیا -

دراصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت مسیح ناصری اور توما حواری اکٹھے ہندوستان کے سفر پر روانہ ہوئے - توما حواری سفر کے قائل نہ رہے - چنانچہ توما کا یہ فقرہ درج کتاب ہے کہ :-

"میں جسم کی کمزوری کے باعث سفر نہیں کر سکتا"

حضرت مسیح ناصری نے دیکھا کہ حبان کو ایک قابل معمار کی تلاش ہے - وہ شاہی انتظام میں ہر قسم کی آسائش و سہولت سے اُسے منزل مقصود پر پہنچا دے گا - آپ نے توما کو بطور غلام کے حبان کے ہاتھ فروخت کر دیا - تاکہ توما پہلے ہندوستان میں جا کر آپ کے مشن کے لئے راستہ صاف کر دیں اور بعد میں آپ پہنچ جائیں - جس مقام پر یہ معاہدہ ہوا کتاب توما کے اعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں سے سمندر نزدیک تھا - چنانچہ توما کو آپ نے حبان کی معیت میں ہندوستان بھیج دیا آپ بعد میں ہندوستان پہنچے ہیں - کتاب توما کے اعمال کا مندرجہ ذیل اقتباس اس سلسلہ میں قابل غور ہے -

جب توما کو بادشاہ گنڈوفورس کی مملکت میں رہتے ہوئے کچھ عرصہ ہو گیا اور بہت سے لوگ ہدایت پا گئے تو لکھا ہے کہ ایک رات کو رسول سو گیا تو

"خداوند مسیح اس کے پاس آیا اور اُسکے سرہانے کھڑا ہو کر کہنے لگا "توما علی الصبح اٹھ کر ان سب کو بعد دعا برکت دے اور مشرقی سڑک پر چلا جا کیونکہ تیرے جانے سے

بہت سے لوگ میری پناہ ڈھونڈیں گے۔"
(دی اپاکرفل نیو ٹسٹامنٹ صفحہ ۳۴۷)

اب اس اقتباس کو دیکھئے۔ یہاں بھی پہلے واقعہ کی طرح یہی تاثر پیدا کیا گیا ہے کہ یہ ایک خواب تھا۔ دراصل یہ کوئی خواب نہیں تھا۔ حضرت مسیح ناصری چونکہ خود شمالی ہند میں پہنچ گئے اسلئے آپ نے توما کو جنوبی ہند میں بھیج دیا کیونکہ یہاں کے لوگوں کے لئے آپ کا وجود کافی تھا۔

مسیح کے مفروضہ واقعہ کے بعد لوگوں کی حضرت مسیح ناصری کے واقعات ملاقات کو خواب کا رنگ دینے کی کوشش بہت پرانی ہے۔ اس زمانہ کے لوگ اکثر یہودی تھے۔ رومی حکومت کے اندر رہتے تھے [illegible] کے مطابق حضرت مسیح ناصری کو صلیب دی گئی [illegible] تھا کہ حواری یا ان کے شاگرد واضح طور پر یہ لکھتے کہ آپ صلیب پر فوت نہیں ہوئے زندہ اتار لئے گئے اور اب اسرائیل کے) سباط عشرہ میں تبلیغ کے کام پر مامور ہیں۔ اگر وہ ایسا لکھ دیتے تو صاف ظاہر تھا کہ گویا حواریوں کی دسیسہ سازش سے رومی حکومت کا ایک صلیبی ملزم بچایا گیا۔ غور کیجئے اصل واقعہ زبان پر لانے میں کتنی مشکلات تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ پولوس رسول سے مسیح کی ملاقات کو ایک کشفی رنگ دیا گیا (اعمال باب ۹) حالانکہ بعض محققین اب تسلیم کرتے ہیں کہ یہ ملاقات ظاہر میں ہوئی تھی۔ جب کہ حضرت مسیح واقعہ صلیب کے بعد دمشق آ گئے تھے۔ جس ملاقات کے نتیجہ میں پولوس آپ پر ایمان لایا۔ چنانچہ پولوس نے بھی اپنے خطوط میں ایک جگہ یہ اشارہ کیا ہے کہ یہ ملاقات اسی قسم کی تھی جس قسم کی ملاقات دوسرے حواریوں کو واقعہ صلیب کے بعد نصیب ہوئی۔ یعنی ظاہر میں ملاقات ہوئی نہ کہ کشف میں۔ (کرنتھیوں ۱۵ باب ۵ تا ۸)

اسی طرح مرقس کے آخر پر بعض مستند نسخوں میں یہ عبارت پائی جاتی ہے کہ واقعہ صلیب کے بعد خود مسیح نے بھی اپنے حواریوں کی معرفت مشرق و مغرب میں منادی پھیلائی۔
(ملاحظہ ہو ڈی وائنز ڈسٹنٹ ڈ ورشن ص ۱۱۶)

اس عبارت میں "حواریوں کی معرفت" کہہ کر ایک گونا اختفاء سے کام لیا گیا ہے تا کہ بات صاف ہے کہ مسیح بھی اس منادی میں شریک تھے۔ یہی اخفاء کے زمانہ کی مصلحت تھی جس کے باعث "آف توما کے اعمال" میں بعض جگہ حضرت مسیح ناصری کی ظاہری موجودگی کا ذکر کیا ہے اور بعض جگہ اسے کشفی رنگ دے دیا گیا۔ بعد میں آنے والے لوگوں نے اس کتاب میں اپنے عقائد کے پیش نظر ایسا رنگ [illegible] کہ آپ کی ظاہری موجودگی کے ذکر پر آپ کی روحانی [illegible] دی گئی۔ لیکن باوجود [illegible] [illegible] آپ کی دنیا میں ظاہری [illegible] [illegible] سے ساتھ [illegible] درج کیا جا چکا ہے۔ اور اسی طرح کتاب کے شروع میں حواریوں کی زبانی یہ ذکر ہے کہ:۔

"ہم نے دنیا کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا تاکہ ہم میں سے ہر ایک اس خطہ میں جائے اور اس قوم کی طرف روانہ ہو جہاں خداوند ہم کو بھیجے"

اس سے حضرت مسیح کی موجودگی ظاہر ہے۔

مزید برآں کتاب توما کے اعمال کے بعض نسخوں میں یہ ذکر ہے کہ حضرت مسیح ہندوستان میں گونڈوفارس کے بھتیجے کی شادی میں شریک تھے۔
(Acta Thomae, Ante-Nicene Christian Library, Vol. xx 46)

تاریخ کی مشہور کتاب روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ یروشلم سے حضرت مسیح ہجرت کر کے ملک نصیبین میں گئے اور آپ کے ساتھ آپ کی والدہ، شمعون، یعقوب اور توما حواری تھے۔ (جلد ۱ ص ۱۳۲ و ص ۱۳۳)

ظاہر ہے کہ روضۃ الصفا کے مصنف نے یہ بیان عیسائی لٹریچر سے اخذ کیا۔ عیسائی لٹریچر سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح توما کو لے کر مگدونیہ میں گئے جو کہ نصیبین کا دوسرا نام ہے۔ (Dr. Cureton. Ancient Syriac documents Vol 22 : 141)
نصیبین ہندوستان کے سفر میں راستہ میں پڑتا ہے۔ اس تاریخی شہادت سے واقعہ کی اصل صورت یہ معلوم ہوتی ہے کہ سفر ہندوستان میں توما حواری آپ کے ہمراہ تھے آپ کو جب معلوم ہوا کہ حبان توما کو سمندری اور خشکی کے راستے ہندوستان لے جانے پر آمادہ ہے، آپ نے توما کو اس کے ساتھ بھیج دیا اور خود بعد میں خشکی کے راستے ہندوستان پہنچ گئے۔ وہاں سے آپ نے توما کو جنوبی ہندوستان میں بھیج دیا اور شمالی ہندوستان میں اسرائیلی اسباط عشرہ میں آپ نے کام شروع کر دیا۔

عیسائی روایت کے مطابق توما ۵۲ عیسوی میں ۲۰ سال کی تبلیغی جدوجہد کے بعد مائلا پور (مدراس) میں شہید ہوئے۔ اسی مقام پر آپ کا مزار آج بھی مرجع خلائق ہے۔

ان تمام بیانات اور شہادتوں سے ثابت ہے کہ چونکہ ہندوستان میں بنی اسرائیل موجود تھے اور حضرت مسیح کا بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کی طرف جانا ضروری تھا اسلئے آپ کا ہندوستان آنا اپنے مشن کی تکمیل کیلئے لازمی تھا۔ چنانچہ آپ ہندوستان تشریف لائے اور آخر کار جیسا کہ تاریخی شہادتوں، آثار قدیمہ اور انجیلی روایات سے ظاہر ہے آپ اپنے مشن کو پورا کر کے ہندوستان کے خطہ کشمیر میں وفات پاکر محلہ خانیار سرینگر میں مدفون ہوئے۔

یہ تمام واقعات قرآن مجید کی آیت وَآوَيْنٰهُمَآ إِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ کی کھلی کھلی تصدیق ہیں۔ صدق اللّٰہ العلی العظیم ٭

علماء کو ہندوستانی مسلمانوں کے شودر بنائے جانے پر اعتراض نہیں

فاضل ججان تحقیقاتی عدالت پنجاب لکھتے ہیں:۔

"ہم نے مختلف علماء سے یہ سوال کیا کہ اگر پاکستان میں غیر مسلموں کے ساتھ شہریت کے معاملات میں مسلموں سے مختلف سلوک کیا جائے تو کیا علماء کو اس امر پہ کوئی اعتراض ہوگا کہ دوسرے ملکوں میں مسلمانوں کے ساتھ بھی ایسا ہی برتاؤ روا رکھا جائے۔ اس سوال کے جوابات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری صدر جمعیت العلماء پاکستان:۔

"سوال۔ کیا آپ ہندوؤں کا جو ہندوستان میں اکثریت رکھتے ہیں یہ حق تسلیم کریں گے کہ وہ اپنے ہاں ہندو دھرم کے ماتحت مملکت قائم کرلیں؟

جواب۔ جی ہاں۔

سوال۔ اگر اس نظام حکومت میں منوشاستر کے ماتحت مسلمانوں سے ملیچھوں یا شودروں کا سا سلوک کیا جائے تو کیا آپ کو کوئی اعتراض ہوگا؟

جواب۔ جی نہیں۔"

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی:۔

"سوال۔ اگر ہم پاکستان میں اس شکل کی اسلامی حکومت قائم کرلیں تو کیا آپ ہندوؤں کو بھی اجازت دیں گے کہ وہ اپنے دستور کی بنیاد اپنے مذہب پر رکھیں؟

جواب۔ یقیناً مجھے اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا کہ حکومت کے اس نظام میں مسلمانوں سے ملیچھوں اور شودروں کا سا سلوک کیا جائے۔ ان پر منو کے قوانین کا اطلاق کیا جائے اور انہیں حکومت میں حصہ اور شہریت کے حقوق قطعاً نہ دئیے جائیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اسوقت بھی ہندوستان میں صورت حالات یہی ہے۔"

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری:۔

"سوال۔ ہندوستان میں کتنے کروڑ مسلمان آباد ہیں؟ جواب۔ ساڑھے چار کروڑ۔

سوال۔ کیا آپ کو اس امر پر اعتراض ہوگا کہ ان پر منو کے قوانین عائد کئے جائیں جن کے ماتحت انہیں کوئی شہری حق حاصل نہ ہوگا اور ان سے ملیچھوں اور شودروں والا سلوک کیا جائیگا؟ جواب۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا ... (رپورٹ تحقیقاتی عدالت صفحہ ۲۲۵-۲۲۸)

تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ کی روشنی میں

مسلمان کی تعریف

جماعت احمدیہ کے مسلمان ہونے پر ایک مشہور اہلحدیث عالم دین کی تازہ شہادت

ہم ذیل میں فسادات پنجاب کی تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ کا وہ حصہ درج کر رہے ہیں جو علماء کے ان بیانات پر مشتمل ہے جو انہوں نے مسلمان کی تعریف کے متعلق عدالت میں دیئے تھے۔ اس حصہ سے فاضل ججوں کے مختصر ریمارکس بھی ظاہر ہیں لیکن اس حصہ کے پڑھنے سے پہلے ہم آپ کے سامنے ایک بڑے اہلحدیث عالم دین کا تازہ ترین بیان پیش کرتے ہیں، جس میں انہوں نے حدیث نبوی کے رو سے جماعت احمدیہ کو مسلمان قرار دیا ہے اور اپنے اس فتویٰ کا علی الاعلان ذکر فرمایا ہے۔

لاہور کے اہلحدیثوں کے ہفت روزہ اخبار الاعتصام میں لکھا ہے کہ:-

"پنجاب کے مشہور اہلحدیث خاندان کے چشم و چراغ مولانا محی الدین لکھوی ایم ایل اے آجکل تحصیل چونیاں ضلع لاہور کا دورہ فرما رہے ہیں۔"

اس دورہ کی رپورٹ میں لکھا ہے کہ جناب مولانا محی الدین صاحب لکھوی نے فرمایا:-

"ہر وہ شخص جو پنجگانہ نماز ادا کرتا ہے مسلمان ہے خواہ وہ کوئی بھی عقیدہ رکھتا ہو۔ مولانا نے کہا کہ تحقیقاتی عدالت میں کسی عالم دین کو مسلمان کی تعریف کرنا نہیں آئی حالانکہ حدیث کی رو سے مسلمان وہ ہے جو حدیث مَنْ صَلّٰی صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَکَلَ ذَبِیْحَتَنَا پر عامل ہے۔ اِس موقعہ پر انہوں نے تمام علماء کو جاہل قرار دیا۔ ایک شخص نے اُٹھ کر کہا کہ قادیانیوں

کے بارہ میں جناب کا کیا خیال ہے جبکہ وہ اکثر حدیث پر بھی عامل ہیں؟ مولانا نے فوراً جواب دیا کہ وہ مسلمان ہیں"

(الاعتصام لاہور ۲۶ نومبر ۵۴ء)

اب آپ پاکستان کی فیڈرل کورٹ کے موجودہ چیف جسٹس جناب محمد منیر صاحب اور ہائیکورٹ کے جج جناب ایم۔ آر۔ کیانی کے تاثرات بھی ملاحظہ فرمائیں۔ لکھتے ہیں:۔

"یہ مسئلہ بنیادی طور پر اہم ہے کہ فلاں شخص مسلم ہے یا غیر مسلم اور یہی وجہ ہے کہ ہم نے اکثر ممتاز علماء سے یہ سوال کیا ہے کہ وہ "مسلم" کی تعریف کریں۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ اگر مختلف فرقوں کے علماء احمدیوں کو کافر سمجھتے ہیں تو ان کے ذہن میں نہ صرف اس فیصلے کی وجوہ بالکل روشن ہوں گی بلکہ وہ "مسلم" کی تعریف بھی قطعی طور پر کر سکیں گے کیونکہ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ فلاں شخص یا جماعت دائرۂ اسلام سے خارج ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ دعویٰ کرنے والے کے ذہن میں اس امر کا واضح تصور موجود ہو کہ "مسلم" کس کو کہتے ہیں۔ تحقیقات کے اس حصہ کا نتیجہ بالکل اطمینان بخش نہیں نکلا اور اگر ایسے سادہ معاملے کے متعلق بھی ہمارے علماء کے دماغوں میں اس قدر ژولیدگی موجود ہے تو آسانی سے تصور کیا جا سکتا ہے کہ زیادہ پیچیدہ معاملات کے متعلق ان کے اختلافات کا کیا حال ہوگا۔ ذیل میں ہم "مسلم" کی تعریف ہر عالم کے اپنے الفاظ میں درج کرتے ہیں۔ اس تعریف کا مطالبہ کرنے سے پہلے ہر گواہ کو واضح طور پر سمجھا دیا گیا تھا کہ آپ وہ قلیل سے قلیل شرائط بیان کیجئے جن کی تکمیل سے کسی شخص کو مسلم کہلانے کا حق حاصل ہو جاتا ہے اور یہ تعریف اس اصول پر مبنی ہونی چاہیئے جس کے مطابق گرامر میں کسی اصطلاح کی تعریف کی جاتی ہے۔ نتیجہ ملاحظہ ہو۔

مولانا ابو الحسنات محمد احمد قادری صدر جمعیۃ العلمائے پاکستان:۔

"سوال: مسلم کی تعریف کیا ہے؟

جواب۔ اوّل وہ توحید الٰہی پر ایمان رکھتا ہو۔

دوم۔ وہ پیغمبر اسلام کو اور تمام انبیائے سابقین کو خدا کا سچا نبی مانتا ہو۔

سوم۔ اس کا ایمان ہو کہ پیغمبر اسلام صلعم انبیاء میں آخری نبی ہیں (خاتم النبیین)

چہارم۔ اس کا ایمان ہو کہ قرآن کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ الہام پیغمبر اسلام صلعم پر نازل کیا۔

پنجم۔ وہ پیغمبر اسلام صلعم کی ہدایات کے واجب الاطاعت ہونے پر ایمان رکھتا ہو۔

ششم۔ وہ قیامت پر ایمان رکھتا ہو۔

سوال۔ کیا تارک صلوٰۃ مسلم ہوتا ہے؟

جواب۔ جی ہاں۔ لیکن منکر صلوٰۃ مسلم نہیں ہوتا۔

مولانا احمد علی صدر جمعیت العلمائے اسلام مغربی پاکستان:۔

سوال۔ از راہ کرم مسلم کی تعریف کیجئے۔

جواب۔ وہ شخص مسلم ہے جو (۱) قرآن پر ایمان رکھتا ہو اور (۲) رسول اللہ صلعم کے ارشادات پر ایمان رکھتا ہو۔

ہر شخص جو ان دو شرطوں کو پورا کرتا ہے مسلم کہلانے کا حقدار ہے"

اور اس کے بعد اس سے زیادہ تعمیر
اور اس سے زیادہ کمال کی ضرورت
نہیں ہے"

مولانا ابو الاعلیٰ مودودی امیر جماعت اسلامی:-

"سوال - از راہ کرم مسلم کی تعریف کیجئے۔
جواب - وہ شخص مسلم ہے جو (۱) توحید پر (۲) تمام انبیاء پر (۳) تمام الہامی کتابوں پر (۴) ملائکہ پر (۵) یوم الآخرۃ پر ایمان رکھتا ہو۔

سوال - کیا ان باتوں کے محض زبانی اقرار سے کسی شخص کو مسلم کہلانے کا حق حاصل ہو جاتا ہے اور آیا ایک مسلم مملکت میں اس سے وہ سلوک کیا جائے گا جو مسلمان سے کیا جاتا ہے؟

جواب - جی ہاں -

سوال - اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں ان تمام باتوں پر ایمان رکھتا ہوں تو کیا کسی شخص کو اس کے عقیدے کے وجود پر اعتراض کرنے کا حق حاصل ہے؟

جواب - جو پانچ شرائط میں نے بیان کی ہیں وہ بنیادی ہیں جو شخص ان شرائط میں سے کسی شرط میں کوئی تبدیلی کرے گا وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائیگا۔"

غازی سراج الدین منیر:-

سوال - از راہ کرم مسلم کی تعریف کیجئے۔
جواب - میں ہر اس شخص کو مسلمان سمجھتا ہوں جو کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان کا اقرار کرتا ہے اور رسول پاک صلعم کے نقش قدم پر چل کر زندگی بسر کرتا ہے۔"

مفتی محمد ادریس جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور:-

سوال - از راہ کرم مسلمان کی تعریف کیجئے۔
جواب - لفظ 'مسلمان' فارسی کا لفظ ہے۔ 'مسلم' کے لئے فارسی میں جو لفظ مسلمان لیا جاتا ہے اس میں اور لفظ مومن میں فرق ہے۔ میرے لئے یہ ناممکن ہے کہ میں لفظ مومن کی مکمل تعریف کر دوں۔ کیونکہ اس امر کی وضاحت کے لئے بے شمار صفحات درکار ہیں کہ مومن کیا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا اقرار کرتا ہے وہ مسلم ہے اس کو توحید الٰہی، رسالت انبیاء اور یوم قیامت پر ایمان رکھنا چاہیئے۔ جو شخص اذان یا قربانی پر ایمان نہیں رکھتا وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بے شمار دیگر امور بھی ہیں جو ہمارے نبی کریمؐ سے ہم کو تواتر کے ساتھ پہنچے ہیں۔ مسلم ہونے کے لئے ان سب امور پر ایمان لانا ضروری ہے۔ میرے لئے یہ قریب قریب ناممکن ہے کہ ان تمام امور کی مکمل فہرست پیش کر دوں۔"

حافظ کفایت حسین - ادارہ تحفظ حقوق شیعہ:-

"سوال - مسلمان کون ہے؟
جواب - جو شخص (۱) توحید (۲) نبوت اور (۳) قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ مسلمان کہلانے کا حقدار ہے۔ یہ تین بنیادی عقائد ہیں جن کا اقرار کرنیوالا

مسلمان کہلا سکتا ہے۔ ان تین بنیادی
عقائد کے معاملے میں شیعوں اور سنیوں
کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ ان
تین عقیدوں پر ایمان رکھنے کے
علاوہ بعض اور امور ہیں جن کو
ضروریاتِ دین کہتے ہیں مسلمان کہلانے
کا حقدار بننے کے لئے ان کی تکمیل
ضروری ہے۔ ان ضروریات کے
تعین اور شمار کے لئے مجھے وقت
چاہئیں۔ لیکن مثال کے طور پر
میں یہ بیان کر دینا چاہتا ہوں کہ
احترام کلام اللہ۔ وجوب نماز۔
وجوب روزہ۔ وجوب حج مع الشرائط
اور دوسرے بے شمار امور ضروریاتِ
دین میں شامل ہیں"۔

مولانا عبدالحامد بدایونی صدر جمعیت العلمائے پاکستان:۔

سوال۔ آپ کے نزدیک مسلمان کون ہے؟

جواب۔ جو شخص ضروریاتِ دین پر ایمان رکھتا ہے وہ "مومن" ہے اور ہر مومن مسلمان کہلانے کا حقدار ہے۔

سوال۔ ضروریاتِ دین کون کون سی ہیں؟

جواب۔ جو شخص پنج ارکان اسلام پر اور ہمارے رسول پاک صلعم پر ایمان رکھتا ہے وہ ضروریاتِ دین کو پورا کرتا ہے۔

سوال۔ آیا ان پنج ارکان اسلام کے علاوہ دوسرے اعمال کا بھی اس امر سے کوئی تعلق ہے کہ کوئی شخص مسلمان ہے یا دائرہ اسلام سے خارج ہے؟

(نوٹ) گواہ کو سمجھا دیا گیا تھا کہ دوسرے اعمال سے وہ ضوابط اخلاقی مراد ہیں جو زمانہ حاضر کے معاشرے میں صحیح سمجھے جاتے ہیں)

جواب۔ یقیناً تعلق ہے۔

سوال۔ پھر آپ ایسے شخص کو مسلمان نہیں کہیں گے جو ارکان خمسہ اور رسالتِ پیغمبر اسلام پر تو ایمان رکھتا ہے لیکن دوسرے لوگوں کی چیزیں چُرا لیتا ہے۔ جو مال اس کے سپرد کیا جائے اس کو غبن کر لیتا ہے۔ اپنے ہمسائے کی بیوی کے متعلق نیت بد رکھتا ہے اور اپنے محسن سے انتہائی ناشکری کا مرتکب ہوتا ہے؟

جواب۔ ایسا شخص اگر ان عقیدوں پر ایمان رکھتا ہے جو ابھی بیان کئے گئے ہیں تو ان تمام اعمال کے باوجود وہ مسلمان ہوگا"۔

مولانا محمد علی کاندھلوی دارالشہابیہ سیالکوٹ:۔

سوال۔ ازراہ کرم مسلمان کی تعریف کیجئے۔

جواب۔ جو شخص نبی کریم صلعم کے احکام کی تعمیل میں تمام ضروریاتِ دین کو بجا لاتا ہے وہ مسلمان ہے۔

سوال۔ کیا آپ ضروریاتِ دین کی تعریف کر سکتے ہیں؟

جواب۔ ضروریاتِ دین ہر مسلمان کو معلوم ہیں خواہ وہ دینی علم نہ رکھتا ہو۔

سوال۔ کیا آپ ضروریاتِ دین کو شمار کر سکتے ہیں؟

جواب سوہ اتنی بے شمار ہیں کہ ان کا ذکر
بے حد دشوار ہے۔ میں ان ضروریات
کو شمار نہیں کر سکتا۔ بعض ضروریات
دین کا ذکر کیا جا سکتا ہے مثلاً صلوٰۃ،
صوم وغیرہ"۔

مولانا امین احسن اصلاحی:۔

"سوال۔ مسلمان کون ہے؟

جواب۔ مسلمانوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک
سیاسی مسلمان دوسرے حقیقی
مسلمان۔ سیاسی مسلمان کہلانے کی
غرض سے ایک شخص کے لئے ضروری
ہے کہ

(۱) توحید الٰہی پر ایمان رکھتا ہو۔
(۲) ہمارے رسول پاک کو خاتم النبیین
مانتا ہو یعنی اپنی زندگی سے
متعلق تمام معاملات میں آنکو
آخری سند تسلیم کرتا ہو۔[1]
(۳) ایمان رکھتا ہو کہ ہر خیر و شر
اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔
(۴) روز قیامت پر ایمان رکھتا
ہو۔
(۵) قرآن مجید کو آخری الہام الٰہی
یقین کرتا ہو۔
(۶) مکہ معظمہ کا حج کرتا ہو۔
(۷) زکوٰۃ ادا کرتا ہو۔
(۸) مسلمانوں کی طرح نماز
پڑھتا ہو۔
(۹) اسلامی معاشرے کے ظاہری
قواعد کی تعمیل کرتا ہو۔
(۱۰) روزہ رکھتا ہو

جو شخص ان تمام شرائط
کو پورا کرتا ہو وہ ایک اسلامی
مملکت کے پورے شہری کے
حقوق کا مستحق ہے۔ اگر وہ ان
میں سے کوئی ایک شرط پوری نہ
کرے گا تو وہ سیاسی مسلمان نہ
ہوگا۔ (پھر کہا) اگر کوئی شخص ان
دس امور پر ایمان کا محض اقرار
ہی کرتا ہو خواہ ان پر عمل کرتا ہو یا
نہ کرتا ہو تو یہ اس کے مسلمان بننے
کے لئے کافی ہے۔

حقیقی مسلمان کے لئے ضروری
ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ
کے تمام احکام پر مِن اس طرح ایمان
رکھتا ہو اور عمل کرتا ہو جس طرح
وہ احکام و ہدایات اس پر عائد
کئے گئے ہیں۔

سوال۔ کیا آپ یہ کہیں گے کہ صرف حقیقی
مسلمان ہی 'مرد صالح' ہے؟

جواب۔ جی ہاں۔

سوال۔ اگر ہم آپ کے ارشاد سے یہ سمجھیں
کہ آپ کے نزدیک سیاسی مسلمان
کہلانے کے لئے صرف عقیدہ
کافی ہے اور حقیقی مسلمان بننے کیلئے
عقیدے کے علاوہ عمل بھی ضروری
ہے تو آپ کے نزدیک ہم نے آپ
کا مفہوم صحیح طور سے سمجھا ہے؟

جواب۔ جی نہیں۔ آپ میرا مطلب صحیح طور پر

[1] الفرقان۔ کیا خاتم النبیین کا معنٰی ...

نہیں سمجھے۔ سیاسی مسلمان کے معاملے میں بھی عمل ضروری ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان حقائق کے مطابق عمل نہیں کرتا جو ایک سیاسی مسلمان کے لئے ضروری ہیں تو وہ سیاسی مسلمانوں کے زمرے سے خارج ہو جائے گا۔

سوال۔ اگر کوئی سیاسی مسلمان ان باتوں پر ایمان نہ رکھتا ہو جن کو آپ نے ضروری بتایا ہے تو کیا آپ اس شخص کو 'بے دین' کہیں گے؟

جواب۔ جی نہیں۔ میں اسے شخص بے عمل کہوں گا۔"

صدر انجمن احمدیہ ربوہ کی طرف سے جو تحریری بیان پیش کیا گیا اس میں مسلم کی تعریف یہ کی گئی کہ مسلم وہ شخص ہے جو رسول پاک صلعم کی اُمت سے تعلق رکھتا ہے اور کلمہ طیبہ پر ایمان کا اقرار کرتا ہے۔

اِن متعدد تعریفوں کو جو علماء نے پیش کی ہیں پیش نظر رکھ کر کیا ہماری طرف سے کسی تبصرے کی ضرورت ہے۔ بجز اس کے کہ دین کے کوئی دو عالم بھی اس بنیادی امر پر متفق نہیں ہیں۔ اگر ہم اپنی طرف سے "مسلم" کی کوئی تعریف کر دیں جیسے ہر عالم دین نے کی ہے اور وہ تعریف ان تعریفوں سے مختلف ہو جو دوسروں نے پیش کی ہیں تو ہم کو متفقہ طور پر دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا جائے گا۔ اور اگر ہم علماء میں سے کسی ایک کی تعریف کو اختیار کر لیں تو ہم اس عالم کے نزدیک تو مسلمان رہیں گے لیکن دوسرے تمام علماء کی تعریف کے رُو سے کافر ہو جائیں گے۔"

(رپورٹ تحقیقاتی عدالت اُردو صفحہ ۲۳۱-۲۳۶)

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا اعلان

"ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اس کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ ملائک حق اور حشر اجساد حق اور روز حساب حق اور جنت حق اور جہنم حق ہے اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو کچھ اللہ جل شانہ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے اور جو کچھ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ سب بلحاظ بیان مذکورہ بالا حق ہے۔ اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو شخص اس شریعت اسلام میں ایک ذرہ کم کرے یا ایک ذرہ زیادہ کرے یا ترک فرائض اور اباحت کی بنیاد ڈالے وہ بے ایمان اور اسلام سے برگشتہ ہے اور ہم اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ سچے دل سے اس کلمہ طیبہ پر ایمان رکھیں کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور اسی پر مریں۔" (ایام الصلح صفحہ ۸۶-۸۷)

اسلامی آئین و نظام کا ایک پہلو!

قیام امن اور استحکام سلطنت کے لئے تخریبی عناصر کو قانونِ قدرت کے مطابق عبرتناک سزا ملنی ضروری ہے

(از جناب چودھری احمد الدین صاحب پلیڈر گجرات)

(۲)

آیاتِ ذیل سے حضرت سلیمانؑ کی حکومت کی ترقی کی شان ظاہر ہوتی ہے۔

(۱) وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۚ (۲۱/۸۱)

(۱) اور ہوائے تند کو ہم نے سلیمان کے لئے مسخر کر دیا تھا اور اسکے حکم سے اس زمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکات رکھے تھے۔

(۲) وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ۚ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۚ (۲۷/۱۵ تا ۱۸)

(۲) ہم نے ضرور داؤد اور سلیمان کو علم دیا تھا۔ دونوں نے کہا خدا کا شکر ہے کہ اس نے اپنے مومن بندوں میں سے بہتوں پر ہم کو فضیلت دی ہے۔ اور سلیمان داؤد کا وارث ہوا اور کہا کہ ہم کو پرندوں کا علم دیا گیا ہے اور ہر ایک چیز ہم کو دی گئی ہے۔ یہ تو کھلا فضل الٰہی ہے۔ اور سلیمان کے لئے جن اور انسان اور پرندوں کے لشکر اکٹھے کئے گئے تھے اور ان کی صف بندی کی جاتی تھی اور زرع یعنی سازو سامان سے باحرکت مہیا ہوا۔

(۳) وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۭ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۭ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ۚ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَ

(۳) اور ہم نے ہوا کو سلیمان کے تابع کر دیا تھا جس کی صبح کی سیر ایک مہینے کے سفر کے برابر تھی اور شام کی سیر بھی ایک ماہ کے سفر کے برابر تھی اور ہم نے تانبے کے چشمے اس کے لئے بہا دیئے تھے اور جنوں کو اسکے زیر فرمان کر دیا تھا جو اسکے رب کے حکم سے اسکے سامنے کام کرتے تھے اور جو ان میں سے ہمارے

تَمَاثِيلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَّاسِيَاتٍ ؕ (٣٤/١٣-١٢)	کرنے سے انکار کرتا تھا اس کو ہم جلانے والی آگ کے عذاب کا مزہ چکھاتے تھے۔ وہ شاہی قلعے تصاویر اور حوضوں جیسے کھانے پینے کے برتن اور ایک جگہ پر پڑی رہنے والی بھاری دیگیں بناتے تھے۔
(۴) قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۔ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ۙ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ۙ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۔ (٣٨/٣٦ تا ٣٨)	(۴) سلیمان نے کہا اے میرے رب مجھے گناہوں سے محفوظ رکھ اور مجھے ایسی بادشاہی عطا کر کہ میرے بعد اور کوئی اس کے لائق نہ ہو۔ تو ہی بخشنے والا ہے۔ پس ہم نے ہوا کو اسکے تابع کر دیا کہ جہاں اس نے پہنچنا ہوتا تھا اسکے حکم سے نرمی سے چلتی تھی اور شیاطین میں سے ہر ایک کاریگر معمار اور غوطہ خور کو اسکے زیر فرمان کر دیا تھا اور باقی شیاطین کو زنجیروں میں جکڑ دیا تھا۔

تشریح متعلق آیہ ۱ تا ۴ مذکورہ بالا:-

آیت ۱ میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے باد تند کو سلیمانؑ کے لیے مسخر کر دیا تھا یعنی اس کی سواری کا طیارہ یا تجارتی یا سامانِ خوراک لانے کا طیارہ ایسا شدید قسم کا طاقتور تھا کہ جس طرح بجلی کی رَو کو تند ہوا نہیں روک سکتی اسی طرح اس کی تیز رفتاری میں بھی رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتی تھی اور برکات والی زمین کی طرف ہوا میں طیارہ کا چلنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ دُور دراز ممالک میں جہاں اناج اور پھل وغیرہ کثرت سے ہوتا تھا۔ تیز رفتار ہوائی جہاز ضروری اشیاء تھوڑے وقت میں لے آتے تھے اور ایک ماہ میں معمولی طور پر طے ہونے والا فاصلہ گھنٹوں میں طے کر لیتے تھے۔ حضرت سلیمانؑ کو منطق الطیر یعنی پرندوں کے اڑنے کا علم خاص طور پر سکھایا گیا تھا۔ جس کے ذریعہ سے وہ برق رفتار جہاز تیار کرتے تھے۔ نیز اُن کے عساکر بڑے بڑے آدمیوں عوام الناس اور ہوائی جہازوں پر مشتمل تھے۔ جن کسی نبی یا بادشاہ کی فوج میں جنگ و پیکار کے لیے جو آدمیوں کے ساتھ وقوع میں آتی تھی کبھی شامل نہیں ہوتے اور نہ عام پرندے فوج کا کام دے سکتے ہیں اور نہ اُن کو فوج میں بھرتی کیا جاتا ہے۔ کہ وہ انسانوں کے مقابلہ پر نبرد آزمائی کریں۔ پس پرندوں کی فوج سے مراد ہوائی جہازوں کی فوج ہی ہو سکتی ہے۔

آیت ۲ مذکورہ بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کو علم دیا گیا تھا جس کے ذریعہ سے حیرت ناک کام انجام دیتے تھے اور علم ہی کا کرشمہ تھا کہ وہ لاثانی ہوائی جہاز اور دیگر مصنوعات کے بنانے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ حضرت داؤدؑ کو لوہا پگھلانے اور اس سے سامان حرب بنانے کی حکمت سکھائی گئی تھی۔ لیکن حضرت سلیمانؑ کو تانبے کے چشمے بھی مل گئے تھے جس سے وہ ظروف اور دیگر ضرورت کی چیزیں بنواتے تھے۔

آیت ۳ مذکورہ بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے عہد میں تصویر کشی کا علم بھی کمال تک پہنچا ہوا تھا۔ حضرت سلیمانؑ کی یہ دُعا کہ میرے بعد میرے جیسی بادشاہی کسی کو نہ ملے اب تک پوری ہو رہی ہے اور کوئی بادشاہ ایسا پیدا نہیں ہوا اور نہ کوئی حکومت منصۂ ظہور پر آئی ہے جس نے حضرت سلیمانؑ جیسے حیرت انگیز کام دکھائے ہوں۔ حضرت سلیمانؑ کو علم طب اور دواؤں کے خواص اور تاثیرات

الہاماً بتائے گئے تھے جیسا کہ مولانا جلال الدین رومیؒ نے اپنی مشہور کتاب مثنوی میں ذکر کیا ہے ؎

ہر صباح او را وظیفہ ایں بدے
کامدے در مسجد اقصےٰ شدے

حضرت سلیمانؑ نے اپنا فرض سمجھا ہوا تھا کہ وہ ہر صبح کو مسجد اقصےٰ میں آتے تھے۔

ہر گیاہے رستہ دیدے اندرو
پس بگفتے نام و نفع خود بگو

ہر جڑی بوٹی اور پودے کو مسجد کے احاطہ میں اُگا ہوا پاتے اور کشفی حالت میں اس کو کہتے کہ اپنا نام اور فوائد بتاؤ۔

تو چہ داروئی چہ نامت چہ است
تو زیاں بر کہ و نفعت بر کہ است

تو کونسی دوائی ہے۔ تیری کیفیت کیا ہے اور تیرا نام کیا ہے۔ کس کو تو ضرر پہنچاتی ہے اور کس کو فائدہ؟

پس بگفتے ہر گیاہے فعل و نام
کہ من آں را جانم و ایں را حمام

پس ہر ایک جڑی بوٹی اپنا نام اور تاثیر بتلاتی تھی۔ اور کہتی تھی کہ میں فلاں شخص کے لئے جان ہوں اور فلاں کے لئے موت۔

من مر ایں را زہرم و آں را شکر
نام من ایں است بر لوحِ قدر

میں فلاں شخص کے لئے زہر اور فلاں کے لئے شفاء ہوں۔ قضا و قدر کی تختی پر میرا یہ نام ثبت ہے۔

پس سلیماں با حکیماں زاں گیا
مشرح کردے نفع و خوش اے گیا

پس حضرت سلیمانؑ اس جڑی بوٹی کے متعلق حکماء کے سامنے اس کے فوائد اور نقصانات بتفصیل بیان کرتے تھے۔

پس طبیباں از سلیماں زاں گیا
عالم و دانا شدند و مقتدا

پس طبیب اس جڑی بوٹی کے متعلق حضرت سلیمانؑ سے علم حاصل کرکے دانا اور پیشوا بنے۔

پس کتب ہائے طبیبی ساختند
جسم را از رنج می پرداختند

پھر اطباء کتابیں لکھ لیتے تھے اور جسم انسانی کو امراض سے نجات دلاتے تھے۔

(مثنوی دفتر چہارم صفحہ ۳۲)

حضرت سلیمانؑ کے عہد میں قرآن مجید کے اس قول کے مطابق کہ "اُوْتِيْنَا كُلَّ شَيْءٍ" (ہم کو ہر ایک چیز دی گئی ہے) ہر قسم کے علوم و فنون اور دانش و حکمت اپنی انتہا تک پہنچ چکی تھی۔ فوٹو گرافی، وائرلیس اور ٹیلی ویژن قسم کی سائنس کے جاننے والے صاحب کشف اور زیرک حکماء ان کے دربار میں موجود تھے جو بذریعہ کشف دُور دراز کی اشیاء کا فوٹو گھر بیٹھے ہی لے لیتے تھے اور اس کو اصل کی طرح بنا دیتے تھے۔

(۱) وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ۝	(۱) ہدہد نے کہا ملکہ سبا کا
وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا	عظیم الشان تخت ہے۔
يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ	میں نے دیکھا کہ وہ اور
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۲۴/۲۷)	اسکی قوم کے لوگ خدا کے
	بغیر سورج کے آگے سجدہ
	کرتے ہیں۔
(۲) قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا	(۲) سلیمانؑ نے کہا۔ اے
اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ	سردارو! تم میں سے کون لاتا ہے
بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ	کو قبل اسکے کہ وہ لوگ مسلم
يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۝	ہو کر میرے پاس آئیں ملکہ
قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ	سبا کا تخت میرے پاس لے آئے
الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ	جنّوں (بڑے آدمیوں) میں سے

قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ..... قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ ..... قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِیْ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِیْنَ لَا یَهْتَدُوْنَ ٭ فَلَمَّا جَآءَتْ قِیْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ٭ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ وَاُوْتِیْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِیْنَ ٭ ..... قِیْلَ لَهَا ادْخُلِی الصَّرْحَ ٭ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَیْهَا ٭ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِیْرَ ٭ قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ٭

(۲۷: ۳۸ تا ۴۴)

[illegible] ..... جو ذی علم تھا اس نے کہا کہ الٰہی تو اپنے مقام سے اٹھنے نہ پائے گا کہ وہ تخت تیرے [illegible] ..... جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہا کہ میں تیری نگاہ تک پہنچنے میں جو وقت لگے [illegible] پاس لے آتا ہوں ۔ جب سلیمانؑ نے تخت کو سامنے کھڑا دیکھا تو اس نے کہا کہ میرے رب کے فضل سے ایسا ہوا ہے ..... تب سلیمانؑ نے کہا کہ اسکو ایسا بنا دو کہ وہ (ملکہ) پہچان نہ سکے کہ اس کا اپنا تخت ہے یا اس کی تصویر ہے ۔ جب ملکۂ سبا آئی تو اس کو کہا گیا کہ تمہارا تخت ایسا ہی ہے ؟ اس نے کہا کہ یہ تو ایسا ہے کہ گویا وہی ہے ۔ اور ہم کو قبل ازیں علم دیا گیا تھا اور ہم نے مان لیا تھا ..... ملکۂ سبا کو کہا گیا کہ محل میں داخل ہو جاؤ ۔ جب اس نے اسکو دیکھا تو اس کو گہرا پانی سمجھا اور اپنی دونوں پنڈلیوں سے کپڑا اوپر کر لیا سلیمانؑ نے کہا کہ یہ تو محل ہے جس کے فرش پر شیشے جڑے ہوئے ہیں (پانی ان کے نیچے ہے) تب ملکۂ سبا نے کہا ۔ اے میرے رب میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا میں نے سلیمانؑ کے ساتھ ہو کر مان لیا ۔

تشریح :-

(أ) تنكير الشئ من حيث المعنى جعله بحيث لا يعرف وتعريفه جعله بحيث يعرف ۔ (مفرداتِ راغب)

(أ) بحیثیت معنے کے کسی شے کی تنکیر یہ ہوتی ہے کہ اسکو ایسا بنا دیا جائے کہ وہ پہچانی نہ جائے اور اس کی تعریف یہ ہوتی ہے کہ اسکو ایسا بنا دیا جائے کہ وہ پہچانی جائے ۔

(ب) قال الراغب الطرف[1] تحريك الجفن وعبر به عن النظر اذا كان تحريك الجفن ملازمة النظر وفى العباب قوله تعالٰى قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ قال الفراء معناه ان يأتيك الشئ من مد بصرك وقيل

(ب) راغب نے کہا کہ طرف کے معنے پلک چشم کا ہلانا ہیں اور اس سے مراد نظر ہے کیونکہ پلک کے ہلانے کو نظر لازم ہے ۔ اور عباب میں خدا کے قول " قبل ان یرتد الیك طرفك " کی تفسیر کرتے ہوئے فراء نے کہا کہ قبل اس کے کہ تیری حدِّ نگاہ سے کوئی چیز

[1] الفرقان ۔ الطرف کے از روئے لغت اور بھی معنی ہیں ؛

بمقدار ما تفتح	تیرے پاس آئے اور یہ
علیك ثم تطرف	بھی کہا گیا ہے کہ جتنی دیر
وقیل بمقدار ما	تک تیری آنکھ کھلی رہے
یبلغ البالغ الی	اور پھر اس پر پلک آ جائے
نهایة نظرك۔	اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جتنی
(تاج العروس)	دیر تک تیری حدِ نگاہ تک
	پہنچنے والا پہنچ جائے۔

(ج) عفریت بالکسر بغایت (ج) عفریت کے معنے ہیں۔

رسانندۂ ہر چیزے و	ہر ایک چیز کو کمال تک
مرد درگذرندہ در امور	پہنچانے والا ایسا مرد جو
ورسا ومبالغ کنندہ	معاملات کی گہرائیوں تک
دراں و زیرک۔	پہنچ جائے۔ ان معاملات
(منتہی الارب)	میں کامل اور مبالغہ کرنے والا
	اور زیرک۔

ہُدہُد نے حضرت سلیمانؑ کو آکر خبر دی کہ ملکۂ سبا کا تخت بڑا عالی شان ہے اور کہ وہ اور اس کی قوم کے لوگ سورج کی پرستش کرتے ہیں۔ ملکۂ سبا سورج کو اپنا معبود سمجھتی تھی اسلئے سورج کی اس کے دل میں بڑی وقعت تھی اور اپنے تخت کو لاثانی خیال کرتی تھی۔ ان دو چیزوں کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت سلیمانؑ اس کو اپنی مشہور حکمت اور دلنشین سے دل میں اثر کرنے والی حالی تبلیغ کرنا چاہتے تھے نہ کہ قالی۔ اس کو بلا بھیجا اور اپنے عمائدِ سلطنت کو جن میں بڑے بڑے صاحبِ علم و فن و اہلِ کشف لوگ تھے۔ کہا کہ تم میں سے کون ایسا ہے جو ملکۂ سبا کا تخت لے آئے قبل اس کے کہ وہ یہاں آئے۔ ایک درباری نے جو بڑا زیرک اور تصویر کشی (فوٹو) کے علم کا ماہر تھا کہا کہ ابھی آپ اپنی قیام گاہ سے اٹھے نہیں ہوں گے کہ میں وہ تخت آپ کے پاس لے آؤں گا۔ ایک درباری نے جس کو کتاب کا علم دیا گیا تھا[1] یعنی صاحبِ کشف یا فوٹو کے فن میں اکمل تھا کہا کہ میں آنکھ کے جھپکنے اور حدِ نگاہ کے فاصلہ کے طے کرنے میں جتنا وقت لگے اس کے اندر وہ تخت آپ کے سامنے رکھ دوں گا۔ جب حضرت سلیمانؑ نے وہ تخت (اس کا فوٹو) اپنے سامنے کھڑا دیکھا تو کہا کہ یہ میرے رب کا فضل ہے۔ اس فوٹو کو اس طرح نقش کرو کہ ملکۂ سبا کو دھوکا لگ جائے اور اصل اور عکس میں تمیز نہ کر سکے۔ جب ملکۂ سبا آئی تو اس کو کہا گیا کہ کیا آپ کا تخت ایسا ہی ہے؟ تو اس نے کہا کہ یہ تو ہو بہو وہی ہے۔ پھر کہا کہ اس سے پہلے بھی ہم کو (توحید) کا علم دیا گیا تھا۔ اور ہم نے مان لیا تھا۔ ملکۂ سبا کے قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ تخت کا عکس پیش کر کے اس کو اس معرفت کا سبق سکھایا گیا تھا کہ عکس اصل چیز نہیں ہوتی اور اصل کے بغیر اس کی کوئی ہستی نہیں ہوتی۔ سورج اصل معبود نہیں ہے بلکہ خداوند حقیقی کی تجلی کا مظہر ہے۔ یہ نکتہ سمجھ کر وہ مجاب ہوئی کہ جیسی کہ آپ لوگوں نے عکاسی میں کمال کر دکھایا ہے اس نے کہا کہ میں نے تو پہلے ہی خدا کی وحدانیت کو تسلیم کر لیا تھا۔ پھر جب اس نے شیش محل کے فرش کو گہرا پانی خیال کر کے اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اوپر کر لیا اور سلیمانؑ نے کہا کہ دھوکا نہ کھائیے محل کے فرش میں شیشے جڑے ہوئے ہیں اور پانی ان کے نیچے بہہ رہا ہے تو اس نے کہا کہ میں نے سورج کو جو خداوند عالم کے انوار کی جلوہ گاہ ہے اصل معبود سمجھ کر اس کی پرستش کر کے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے اور اب میں آپ کے خداوند حقیقی پر دل سے ایمان لے آئی ہوں۔

جب حضرت سلیمانؑ کے سامنے تخت کا فوٹو رکھا گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ خدا کا فضل ہے۔ اگر ملکۂ سبا کا اصل تخت اس کی رضا مندی اور علم کے بغیر اٹھا کر غاصبانہ اور جابرانہ طور پر لایا جاتا تو حضرت سلیمانؑ کو جو خدا کے نبی تھے یہ کہنے کا حق نہیں پہنچتا تھا کہ یہ خدا کا فضل ہے۔ البتہ اس حیرت ناک علمی کرشمہ پر کہ گھر بیٹھے آناً فاناً تخت کا صحیح عکس لیا گیا وہ یہ فرما سکتے تھے کہ یہ کمالِ صنعتِ عکاسی جو ہم کو

[1] الفرقان۔ یا اسے اس خط کا علم تھا جو حضرت سلیمانؑ کی طرف سے [illegible]

دیا گیا محض خدا کا فضل ہے۔

اسی طرح آیت مندرجہ بالا میں " عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَأُوتِينَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ " (ہم کو اڑنے والوں کا علم سکھایا گیا ہے اور ہر ایک چیز ہم کو دی گئی ہے۔ یعنی ہر ایک قسم کا ہنر اور علم و فن ہم کو دیا گیا ہے) کے بعد آپ کا یہ قول کہ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ۔ (یہ تو خدا کا صریح فضل ہے) درج ہے۔ جس طرح ہوا میں اُڑنے اور دیگر علوم و فنون کو وہ خدا کا فضل خیال فرماتے تھے اسی طرح انہوں نے عکاسی کے علمی کمال کو خدا کا فضل کہا۔

جس طرح انسان خدا کی دی ہوئی طاقتوں کے ناجائز استعمال سے امراض و آلام کی آماجگاہ بن کر سزا پاتا ہے جس طرح دیگر اشخاص کے حقوق پر دست اندازی کرنے اور ان کو جانی و مالی ضرر و نقصان پہنچانے سے حکام کے سامنے ذمہ دار ہوتا اور سزا پاتا ہے، جس طرح حکومتِ وقت کی بغاوت اور اس کی تخریب کے افعال کا مرتکب ہو کر سخت سزا کا مستوجب بنتا ہے اسی طرح خدا کے نبیوں اور مرسلین کی تکذیب و ترہیب اور مخالفت کی بنا پر عذاب الیم میں مبتلا ہوتا ہے۔

انبیاء دنیا میں الٰہی حکومت قائم کرنے کے لئے آتے ہیں اور جو لوگ الٰہی حکومت کے باغی اور اس کے مٹانے کی کوشش کرنے والے ہوں ان کو سب سے زیادہ سزا ملتی ہے۔ کئی قومیں انبیاء کی مخالفت کی وجہ سے صفحۂ ہستی سے نابود ہو چکی ہیں اور دوسروں کے لئے موجب عبرت بنی ہیں جیسا کہ خدا قوم موسیٰ، قوم نوحؑ، قوم عاد، قوم ثمود، اصحاب الرس اور ان کے مابین کئی تباہ شدہ قوموں کے متعلق فرماتا ہے:۔

(۱) وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْأَمْثَالَ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيرًا۔ (۲۵/۴۲)

(۱) ہر ایک تباہ شدہ قوم کو پہلے انبیاء کی مخالف تباہ شدہ قوموں کی مثالیں دیکر ہم نے سمجھایا اور ہم نے سب کو ہلاک کر دیا۔

الفرقان ——— قرآن مجید نے ملکۂ سبا کا واقعہ متنوع الاقسام اغراض کے لئے بیان فرمایا ہے۔ مبلغین کے لئے اس میں طریق تبلیغ کا ذکر ہے۔ مہمان نوازوں کے لئے اس میں مہمان نوازی کے انداز مذکور ہیں اور ارباب ذی شان کے لئے اس میں سطوت و جبروت کے صحیح مصرف کی طرف رہنمائی ہے اور اہلِ سیاست کے لئے ملکی نظام اور حزم و سیاست کے کئی سبق ہیں۔

فاضل مضمون نگار نے اس واقعہ کے صرف ایک پہلو کی طرف اشارہ فرمایا ہے اس لئے آیاتِ قرآنی کے معانی کی وسعتوں کو اس میں محدود رکھا ہے حقیقت یہی ہے کہ قرآنی معارف کے زخار سمندر ہیں سے ہر شخص اپنے ظرف کے مطابق حصہ لیتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جس احسن طریق سے ملکۂ سبا کی مہمان نوازی فرمائی وہ اُن کی شانِ خسروانہ کے عین مطابق ہے۔ پھر جس طریق پر انہوں نے انکی آسائش کے لئے سامان تیار کروایا وہ ان کے ذرائع کی وسعت پر واضح دلیل ہے۔ آن کی آن میں ویسا ہی تخت تیار کروالینا جو ملکہ کے اپنے وطن میں تھا حیرت انگیز کارنامہ ہے۔ گویا ہر چیز ملکہ کے آنے سے پہلے پہلے قرینہ سے سجی ہوئی تھی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکۂ سبا کو شرک کے دلدل سے نکالنے کے لئے جو شیش محل تیار کروایا تھا اس میں مبلغین کے لئے حق و حکمت کے ساتھ موقع شناسی اور پُر تاثیر دلیل پیش کرنے کا بہترین سبق ہے۔

بہر حال حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ واقعہ مختلف جہات سے سبق آموز ہے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

قاعدہ یسّرنا القرآن مکمّل

کا

نیا ایڈیشن

چھپ گیا ہے۔ ضرورت مند احباب ہم سے منگوا سکتے ہیں!

قیمت فی قاعدہ ۱۰/

تاجروں کو ۲۵٪ کمیشن دیا جاتا ہے۔

—— اسکے علاوہ ——

فسادات پنجاب سنہ ۱۹۵۳ء کے متعلّق تحقیقاتی عدالتی رپورٹ (اردو میں) بھی مل سکتی ہے

قیمت چار روپیہ فی جلد

وکیل التجارت تحریک جدید ربوہ

چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب

سابق وزیر خارجہ حکومت پاکستان

تحریر فرماتے ہیں :-

"حضرت مولانا حکیم نورالدین خلیفہ اول میرے باپ کے محسن تھے۔ پھر میرے محسن تھے۔ حکیم عبدالوہاب صاحب عمر میرے محسن زادے ہیں۔ مجھے یہ سُن کر بہت خوشی ہوئی کہ انہوں نے طب کی تعلیم حاصل کی ہے۔ بلکہ اس فن میں دسترس بھی حاصل کر چکے ہیں۔ اور اپنے یکتا باپ کے چھوڑے ہوئے خزانوں کو بنی نوع انسان کی خدمت کے لئے استعمال کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس نیت سے ایک دواخانہ بھی قائم کیا ہے۔ چنانچہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور دواخانہ دیکھا۔ حضرت خلیفہ اول کی قلمی بیاض کو دیکھا اور اس محبوب دستخط کو دیکھ کر دل کی عجیب کیفیت ہوئی۔ جب میں انگلستان میں طالب علم تھا تو اس دستخط سے مجھے نوازا کرتے تھے کبھی احمد باشی سے خطاب فرماتے کبھی ظفر اللہ باشی سے۔ کبھی پیارے پر ہی اکتفا کرتے تھے۔

میں کہاں سے کہاں چلا گیا۔ حکیم عبدالوہاب صاحب عمر کی خدمت میں مبارکباد عرض کرتا ہوں۔

ظفر اللہ خان"

ضروری اطلاع

دواخانہ نورالدین چوہدری بلڈنگ لاہور (جو میو ہسپتال بڑے ڈاکخانہ کے درمیان مسجد دائی لاڈو اور رتن باغ کے پاس تھا) میں دوبارہ قائم ہے اس میں مستورات کے علاج کا خاص انتظام ہے۔ بیگم صاحبہ حکیم عبدالوہاب عمر طبیبہ قابلہ گولڈ میڈلسٹ مستند طبیہ کالج دہلی بیمار مستورات کو دیکھتی اور علاج کرتی ہیں۔ باہر کے اصحاب خط میں بیماری کی تفاصیل لکھ کر دوا منگوا سکتے ہیں۔

مینیجر دواخانہ نورالدین چوہدری بلڈنگ لاہور

سلسلہ وار ترجمہ اور تفسیر

البیان

قرآن مجید کا سلیس اُردو ترجمہ مختصر اور مفید تفسیری حواشی کے ساتھ

وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِب بِّعَصَاكَ

اور (اُس وقت کو بھی یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تو ہم نے (اُسے) کہا کہ اپنا سوٹا فلاں

الْحَجَرَ فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ط

پتھر پر مار اس پر اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ (اور)

۱۲۵ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو آزاد اور حکمران قوم بنانے کے لئے جنگل میں لائے جنگل کا یہ سفر ایک آزمائش تھی۔ اس دوران میں ایک موقع پر پانی نایاب تھا۔ بائیبل میں لکھا ہے :-

"لوگ موسیٰ سے جھگڑنے لگے اور کہا کہ ہم کو پانی دے کہ پئیں۔ موسیٰ نے انہیں کہا تم مجھ سے کیوں جھگڑتے ہو اور خداوند کا کیوں امتحان کرتے ہو؟ اور وہاں لوگ پانی کے پیاسے تھے۔ سو لوگ موسیٰ پر بڑبڑائے اور کہا کہ تو ہمیں مصر سے کیوں نکال لایا کہ ہمیں اور ہمارے لڑکوں اور ہمارے مواشی کو پیاس سے ہلاک کرے؟ موسیٰ نے خداوند سے فریاد کر کے کہا کہ میں ان لوگوں سے کیا کروں وے سب تو ابھی مجھے سنگسار کرنے کو تیار ہیں۔ خداوند نے موسیٰ کو فرمایا کہ لوگوں کے آگے جا اور بنی اسرائیل کے بزرگوں کو اپنے ساتھ لے اور اپنا عصا جو تو نے دریا پر مارا تھا اپنے ہاتھ میں لے اور جا۔ دیکھ کہ میں وہاں حورب کی چٹان پر تیرے آگے کھڑا ہونگا تو اس چٹان کو مار یو اس سے پانی نکلے گا تاکہ لوگ پئیں۔" (خروج ۱۷/۱-۶)

بائیبل کے اس بیان کی غیر طبعی باتوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو وہ قرآن مجید کے بیان کا حرفاً حرفاً مؤید ہے۔ اس جگہ یاد رہے کہ ہم بائیبل کے حوالہ جات بنیادی ثبوت کے طور پر پیش نہیں کرتے محض تائیدی گواہ ہے جب قرآن مجید کا کلام خدا ہونا ثابت ہو گیا تو پہلی یا پچھلی روایات کا وہی حصہ معتبر مانا جائیگا جو کلام خداوندی سے مطابقت رکھتا ہے۔

۱۲۶ بائیبل میں حورب کی چٹان سے بارہ چشموں کا پھوٹنا درج نہیں ہے لیکن اسی سفر میں دوسری جگہ پر بارہ چشموں کا ذکر آتا ہے لکھا ہے :-

"اور مارہ سے کوچ کر کے ایلیم میں آئے اور ایلیم میں پانی کے بارہ چشمے اور کھجور کے ستر درخت تھے۔" (گنتی ۳۳/۹ و خروج ۱۵/۲۷)

معلوم ہوتا ہے کہ بائیبل نویسوں سے خلط ہو گیا ورنہ ظاہر ہے کہ معجزانہ طور پر کثرت سے چشمے جاری کرنے کا موقع حورب کی چٹان کا ہی موقع ہے۔ اور یہی قاعدہ ہے کہ عدم ذکر سے عدم شئے لازم نہیں آتا +

قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِن رِّزْقِ

ہر ایک گروہ نے اپنی گھاٹ کو پہچان لیا۔ (تب انہیں کہا گیا کہ) اللہ کے رزق میں سے کھاؤ اور پیو۔

اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ٦٨ ۝ وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ

اور مفسدین کر زمین میں خرابی نہ پیدا کرو۔ اور (اسوقت کو بھی یاد کرو) جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ

لَن نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ ٦٩ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا

ہم ایک ہی کھانے پر صبر نہیں کر سکیں گے اس لئے تو ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کر کہ وہ ہمارے لئے بعض ایسی

۶۸ نعمت کی فراوانی عموماً انسان کو مغرور و متکبر بنا دیتی ہے۔ فرمایا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى ۰ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۰ کہ انسان اپنے آپ کو مالدار پا کر سرکش و طاغی بن جاتا ہے۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنی نعمتوں سے نوازا ہے اور کھانے پینے کے لئے با فراغت دیا ہے۔ اس لئے ساتھ ہی تاکید فرمائی کہ میرے یہ احسانات تم میں ناقدری اور تمرد پیدا نہ کریں بلکہ تمہارا فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عطایا سے بنی نوع انسان کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرو۔

۶۹ طَعَامٍ وَّاحِدٍ سے مراد ایک طرز کا کھانا ہے۔ بنی اسرائیل کو جنگل میں منّ و سلویٰ ملتا تھا۔ انہوں نے جنگل کی جفاکشی کی زندگی کی قدر نہ کی اور اس عظیم مقصد کو نظر انداز کر دیا جس کے لئے انہیں تیار کیا جا رہا تھا۔ حکمرانی اور جہانبانی کی بجائے وہ پھر کھیتی باڑی کو ترجیح دینے لگے اور تعیش پسند زندگی کے دلدادہ بن گئے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہی ہو سکتا تھا کہ وہ اعلیٰ مقصد میں ناکام ہو کر کسی شہر میں پناہ گزیں ہو جاتے۔ انہیں سبزیاں اور ترکاریاں تو مل جاتیں مگر غلامی کا جوا ہمیشہ کے لئے ان کی گردن میں پڑا رہتا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بائیبل نے اس واقعہ کو بالفاظ ذیل ذکر کیا ہے:۔

"بنی اسرائیل بھی پھر رونے اور بولے کون ہے جو ہمیں گوشت کھانے کو دیگا؟ ہم کو وہ مچھلی یاد آتی ہے جو ہم مفت مصر میں کھاتے تھے اور وہ کھیرے اور وہ خربوزے اور وہ گندنا اور وہ پیاز اور وہ لہسن۔ پر اب تو ہماری جان خشک ہو چلی۔ یہاں تو ہماری آنکھوں کے سامنے کچھ بھی نہیں مگر یہ منّ۔" (گنتی ۱۱/۴-۶)

بنی اسرائیل شہری زندگی کے عادی تھے اور جنگل کی آزادانہ زندگی سے پیدا ہونیوالے عزم و حوصلہ سے نا آشنا تھے اسلئے انہوں نے اکتا کر شہری زندگی کی طرف عود کرنا چاہا۔ لن نصبر علی طعام واحد قولاً بھی ہو سکتا ہے اور عملاً بھی۔

فقرہ فادع لنا ربک سے اس قرب کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے حضور حاصل تھا۔ ہاں یہ الفاظ اظہار بیگانگت کے موقع پر بھی کہے جا سکتے ہیں۔ یہ نبی کی صحبت کا ہی اثر ہے کہ بنی اسرائیل اس پستی کے باوجود یہی کہتے ہیں کہ کائنات پر تصرف کرنیوالا صرف ایک خدا ہے اسی سے دعا کرنی چاہیئے وہی ہر قسم کی روئیدگی اگاتا ہے۔

مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَ

چیزیں جنہیں زمین اگاتی ہے پیدا کرے یعنی اس کی سبزیاں، ککڑیاں، گیہوں، مسور اور

بَصَلِهَا ؕ قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ؕ

پیاز ـــــ (اس پر اللہ نے) کہا کہ کیا تم اس چیز کی بجائے جو اعلیٰ ہے اس چیز کو لینا چاہتے ہو جو ادنیٰ ہے

اهْبِطُوا مِصْرًا فَإِنَّ لَكُمْ مَا سَأَلْتُمْ ۗ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ

کسی شہر میں چلے جاؤ (وہاں) جو کچھ تم نے مانگا ہے تمہیں ضرور مل جائیگا۔ (تب) انہیں ہمیشہ کے لئے

نشکہ حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو سبزیوں ترکاریوں پر مرمٹنے سے روکتے ہوئے انہیں سمجھایا کہ یہ ادنےٰ چیزیں ہیں اور جس چیز سے تم منہ موڑ رہے ہو یعنی حکومت وسلطنت وہ بہت اعلیٰ اور اہم ہے۔ بے شک بلند چوٹی پر پہنچنے کے لئے مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے۔ مگر کیا کبھی اعلیٰ کامیابی جانفشانی کے بغیر حاصل ہوسکتی ہے؟

نٹکہ جب حضرت موسیٰؑ نے دیکھا کہ بنی اسرائیل سمجھنے کے لئے تیار نہیں اور وہ شہر کی آرام دہ زندگی پر فریفتہ ہورہے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ یہ مقصد تمہیں کسی شہر میں جاکر حاصل ہوگا اور تم اپنی مطلوبہ اشیاء کو حاصل کرسکو گے۔ مگر یاد رکھو کہ اس کے ساتھ ہی تمہیں دوسروں کی ماتحتی اور غلامی برداشت کرنی پڑے گی اور اُن کے مقرر کردہ قانون کے تابع رہنا پڑے گا۔

اِهْبِطُوا مِصْرًا کے لفظ سے بعض پادریوں نے دھوکا کھا کر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہاں بنی اسرائیل کے واپس مُلک مصر جانے کا ذکر ہے۔ حالانکہ یہ سب عربی زبان سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ مِصْرًا پر تنوین آئی ہے اور ملک کے لئے جو لفظ مصر ہے اس پر کبھی تنوین نہیں آتی وہ غیر منصرف ہے۔ یہاں مِصْرًا سے مراد محض شہر ہے۔ یعنی حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ اپنی مرغوب اشیاء کے لئے کسی شہر میں جاؤ۔ یہ چیزیں تو وہاں پر ملیں گی۔

اِهْبِطُوا مِصْرًا سے ظاہر ہے کہ لفظ ھبوط کا اطلاق بلندی سے اُترنے کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ محض انتقال مکانی کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے بعض دفعہ معنوی بلندی سے پستی کی طرف آنے کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوجاتا ہے پس حضرت آدمؑ کے واقعہ کے بیان میں وارد شدہ لفظ ھبوط سے یہ استدلال کرنا درست نہیں کہ حضرت آدمؑ کی جنت آسمان پر تھی۔ یہ استدلال قرآن مجید کے الفاظ اِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً کے بھی خلاف ہے۔ قرآن مجید کی آیت کے وہ معنے کرنے چاہئیں جو دوسری نصوص کے خلاف نہ ہوں اور لغت کے رُو سے بھی ان کی گنجائش موجود ہو +

الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا

ذلیل اور بے بس کر دیا (گیا) اور وہ اللہ کے غضب کا مورد بن گئے۔ یہ اس وجہ سے (ہوا) کہ وہ

يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذٰلِكَ

اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرنا چاہتے تھے۔ (اور) یہ (گناہ)

بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ○ ع ۷

ان کے نافرمانی کرنے اور حد سے بڑھے ہوئے ہونے کے سبب سے (ان میں پیدا ہوگیا) تھا۔

۷۲ بنی اسرائیل ایک نبی کے ساتھ تھے۔ آسمانی وحی ہر آن ان کی رہنمائی کرتی تھی۔ تازہ بتازہ نشانات ان کے سامنے ظاہر ہوتے تھے۔ ایسی قوم کا ذرا سی غیر معمولی تکلیف سے گھبرا کر سبزیوں ترکاریوں پہ ریجھ جانا اور خدا تعالےٰ کی باتوں سے منہ موڑنا معمولی جرم نہ تھا۔ اس میں احکام کی نافرمانی، آیات الٰہیہ سے روگردانی اور نبی کے عظیم الشان مقصد کے ساتھ گونہ غداری تھی اس لئے مادی طور پہ ذلت و مسکنت کا شکار بننے کے علاوہ بنی اسرائیل خدا تعالےٰ کی ناراضگی کا بھی مورد بنے۔ خدا کا غضب دائمی طور پر ان کے ساتھ چمٹ گیا۔

۷۳ اس جگہ اللہ تعالےٰ نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ ایک نیکی سے دوسری نیکی کی توفیق ملتی ہے اور ایک بدی دوسری بدی کی طرف لے جاتی ہے۔ فرمایا کہ بنی اسرائیل کا یہ تمسخر آمیز رویہ اور یہ گستاخانہ لہجہ ایک دن میں اور یونہی پیدا نہیں ہوگیا۔ یہ سرکش گروہ لمبے عرصہ سے آیاتِ الٰہیہ کا انکار کرنے کا عادی ہے اور خدا کے برگزیدوں سے ہمیشہ برسرِ پیکار ہوتا آیا ہے اسلئے ان کا یہ برا انجام ان کے تدریجاً بڑھنے والے گناہوں کا آخری نقطہ ہے۔

۷۴ اس جگہ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ کے معنے یہ ہیں کہ بنی اسرائیل نبیوں کو قتل کرنے کا ارادہ کرتے تھے یا کوشش کرتے تھے۔ کیونکہ یہ واقعہ ہے کہ اس وقت تک بنی اسرائیل نے کسی نبی کو قتل نہ کیا تھا۔

عربی زبان کے رُو سے جس طرح قَتَلَ کا لفظ واقعی قتل کر دینے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اسی طرح قتل کا ارادہ کرنے اور قتل کی کوشش کرنے کے معنوں میں بھی آتا ہے۔

آیت کا حصہ ذٰلک بما عصوا و کانوا یعتدون بتا رہا ہے کہ بنی اسرائیل ان بڑے جرائم کے ارتکاب تک اسلئے پہنچے کہ انہوں نے معصیت اور حد سے تجاوز کو اپنی عادت ثانیہ بنا لیا تھا۔ قانونِ قدرت اور قانونِ شریعت اس بارے میں متفق ہیں کہ ہر فعل کا ردِ فعل ہوتا ہے اور نیکی کے کرنے سے مزید نیکی کی توفیق ملتی ہے اور ایک بدی دوسری بدی کی طرف لیجاتی ہے اسی لئے قرآن مجید نے کبائر سے بچنے کا یہ گر بتایا ہے کہ چھوٹی چھوٹی بے اعتدالیوں سے بھی پرہیز کیا جائے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَ

جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جو یہودی ہیں ۔ نیز نصاریٰ اور

الصَّابِئِينَ[۵۷] مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا

صابی (ان میں سے) جو (فریق) بھی اللہ پر اور آخرت کے دن پر (کامل) ایمان لایا ہے اور اُسنے نیک عمل کئے ہیں

فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

یقیناً ان کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا (مناسب) اجر ہے اور انہیں (تو مستقبل کے متعلق) کسی قسم کا خوف ہوگا اور (ماضی پر) وہ

يَحْزَنُونَ[۵۸] ۝ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ

غمگین ہوں گے ۔ اور (اسوقت کو بھی یاد کرو) جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا تھا اور طور کو تمہارے اُوپر بلند کیا تھا (اور کہا تھا کہ)

خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ

جو (کچھ) ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوطی سے پکڑ لو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد رکھو تاکہ تم

۵۷ صابی نام کی کوئی معین قوم اِس وقت موجود نہیں ہے ۔ تاریخی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کا اطلاق مختلف قوموں پر ہوتا رہا ہے جو بابل، عراق کے دوسرے خطوں اور عرب کے مختلف علاقوں میں پائی جاتی تھیں ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عربوں نے یہود و نصاریٰ کے علاوہ باقی تمام اہل کتاب قوموں کے لئے مشترک طور پر یہ لفظ استعمال کیا ہے ۔ امام راغب کہتے ہیں ۔ والصابئون قوم کانوا علی دین نوح وقیل لکل خارج من الدین الی دین آخر صابی ۔ (المفردات) کہ صابی حضرت نوحؑ کی قوم تھی بعض کا خیال ہے کہ سابق دین سے نکل کر دوسرے مذہب کو اختیار کرنے والا ہر شخص صابی کہلاتا ہے۔

امام نسفی لکھتے ہیں " هم قوم عدلوا عن دين اليهودية والنصرانية وعبدوا الملائكة وقيل هم يقرؤن الزبور " (مدارک التنزیل) کہ صابی وہ لوگ ہیں جو یہودیت اور نصرانیت سے منحرف ہو کر فرشتوں کی عبادت کرنے لگ گئے تھے ۔ بعض کہتے ہیں کہ صابی زبور والے ہیں "

۵۸ تمام ایمانیات اللہ اور یوم آخر میں شامل ہیں یا بغرض اختصار اوّل و آخر ذکر فرما دیا ہے مراد سب ایمانیات ہیں چنانچہ آگے عَمِلَ صَالِحًا کی قید لگائی ہے ۔ اور ظاہر ہے کہ عمل صالح کا علم شریعت سے ہی ہو سکتا ہے اور شریعت لانے والا رسول ہوتا ہے ۔ خوف و حزن نہ ہونے سے مراد انجام و مقاصد کی کامیابی ہے ورنہ افراد پر تو عارضی خوف و حزن آتے رہتے ہیں ۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ ۔ الآیہ ۔

تَتَّقُوْنَ ۝ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ

متقی بن جاؤ۔ پھر تم (دعوتِ ہدایت) کے (مل جانے کے) بعد (بھی) تم نے پیٹھ پھیرلی اور اگر تم پر اللہ کا فضل

اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ وَلَقَدْ

اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاتے۔ اور تم ان لوگوں (کے انجام)

عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ [۵۵] فَقُلْنَا لَهُمْ

کو جنہوں نے تم (اہلِ کتاب) میں سے (ہوتے ہوئے) سبت کے معاملہ میں زیادتی کی تھی یقیناً جان چکے ہو اس پر ہم نے اُن سے کہا کہ

كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ [۵۶] ۝ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ

(جاؤ) ذلیل بندر ہو جاؤ۔ پس ہم نے اس (واقعہ) کو ان (لوگوں) کے لئے بھی جو (اس واقعہ کے وقت)

يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَاِذْ قَالَ

موجود تھے اور اس (واقعہ) کے بعد آنیوالے لوگوں کے لئے (موجبِ) عبرت اور متقیوں کے لئے (موجبِ) نصیحت بنادیا۔ اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) کہ

[۵۴] رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ سے مراد یہ ہے کہ یہ پاک عہد تم نے دامنِ کوہ طور میں کیا تھا۔ جگہ کے تقدس سے بھی اقرار کی عظمت بڑھ جاتی ہے۔ اس جگہ یہ مراد نہیں ہے کہ پہاڑ کو سر پر رکھ دیا تھا اور ڈرا کر اقرار کرایا تھا۔ یہ شریعت اور ایمان کی رُوح کے منافی ہے۔ درحقیقت یہ زبان کا محاورہ ہے جس کے معنے ہیں کہ تم دامنِ طُور میں تھے۔

[۵۵] یہود کو سبت منانے کا حکم دیا گیا تھا۔ استثنا دباب ۵ اور خروج باب ۲۰ میں یہ حکم موجود ہے۔ لکھا ہے کہ:-

"سبت کے دن کو یاد کر تاکہ تو اسے مقدس جانے۔ جیسا خدا وند تیرے خدا نے مجھے حکم کیا ہے چھ دن تک تو محنت کر اور اپنے سب کام کیا کر پر ساتواں روز خداوند تیرے خدا کے سبت کا ہے تو اس دن کوئی کام نہ کر۔ نہ تو۔ نہ تیرا بیٹا۔ نہ تیری بیٹی۔ نہ تیرا غلام۔ نہ تیری لونڈی۔ نہ تیرا بیل۔ نہ تیرا گدھا۔ نہ تیری کوئی مواشی۔ اور نہ مسافر جو تیرے پھاٹکوں کے اندر ہو تاکہ تیرا غلام اور تیری لونڈی تیری طرح سے آرام کریں۔" (استثناء ۵/۱۲-۱۴)

یہودیوں نے سبت کی دونوں مقدس غرضوں (۱) اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے کُلّی فراغت (۲) ماتحتوں کے آرام کا خیال۔ کو بے حرمت کر دیا اور سبت کو توڑنے والے قرار پائے۔ قرآن مجید نے سورۃ الاعراف ع ۲۱ میں یہود کی طرف سے سبت توڑ کر مچھلی پکڑنے کا ذکر بطور مثال کیا ہے۔

[۵۶] سبت کے حکم کو توڑ کر غلامی کا طوق یہود کی گردن میں حمائل ہو گیا "ذلیل بندر" سے یہی مراد ہے۔

مُوسٰی لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں ایک گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ انہوں نے کہا

اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ

کیا تو ہمیں تمسخر کا نشانہ بناتا ہے۔ (موسیٰ نے) کہا میں (اس بات سے) اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ (ایسا فعل کر کے) میں

الْجٰهِلِیْنَ ○ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَا هِیَ ؕ قَالَ

جاہلوں میں شامل ہو جاؤں۔ انہوں نے کہا ہماری خاطر اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں کھول کر بتائے کہ وہ (گائے) کیسی ہے۔ اس نے (یعنی

اِنَّهٗ یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّ لَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَیْنَ

موسیٰ نے) کہا کہ وہ فرماتا ہے وہ ایسی گائے ہے کہ نہ تو وہ بڑھیا ہے اور نہ بچھیا (بلکہ) پوری جوان ہے۔ اس (بیان کردہ

ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ○ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ

حد بندی) کے درمیان کی ہے۔ اسلئے جو حکم تمہیں دیا جاتا ہے اسے بجا لاؤ۔ انہوں نے کہا ہماری خاطر اپنے رب سے (پھر) دعا کیجئے کہ

یُبَیِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ

وہ ہمیں کھول کر بتائے کہ اس کا رنگ کیا ہے (موسیٰ نے) کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک زرد رنگ کی گائے ہے

منشہ گائے کا یہ واقعہ بھی بنی اسرائیل کی اس طبیعتِ ثانیہ کو ظاہر کرتا ہے جو پیہم نافرمانیوں سے ان میں پیدا ہو گئی تھی۔ فرعونیوں کی رسوم کے باعث یہودی بھی غیر معمولی طور پر گائے کی عظمت کر رہے تھے۔ شرک تک نوبت پہنچ گئی تھی اسلئے گائے کا ذبح کرانا ضروری تھا۔ آخر کار ہزار لیت و لعل کے بعد انہوں نے گائے ذبح کی۔

توراۃ میں اس بارے میں لکھا ہے :-

"پھر خداوند نے موسیٰ اور ہارون کو خطاب کر کے فرمایا یہ شریعت کا حکم ہے جو خداوند نے یہ کہتے ہوئے فرمایا کہ بنی اسرائیل کو کہہ کہ ایک لال گائے جو بے داغ اور بے عیب ہو اور جس پر کبھی جوا نہ رکھا گیا ہو تجھ پاس لائیں۔ تم اسے الیعزر کاہن کو دو کہ اسے خیمہ گاہ سے باہر لیجائے اور وہ اس کے حضور ذبح کی جائے۔" (گنتی $\frac{19}{2-3}$)

ملشہ حضرت موسیٰ نے صرف یہ نہیں فرمایا کہ گائے ذبح کرنے کا حکم مذاق نہیں ہے بلکہ فرمایا کہ خدا کے نام پر ایسا کرنا تو پہلے درجہ کی جہالت ہے اور میں خدا کا نبی ہو کر ایسی قبیح حرکت کس طرح کر سکتا ہوں۔ یہ اندازِ بیان بات میں پوری قوت پیدا کر دیتا ہے ؛

فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ○ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ

اس کا رنگ بہت شوخ ہے (اور) وہ دیکھنے والوں کو بہت پسند آتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہماری خاطر اپنے رب سے (پھر) دُعا کیجیے کہ وہ ہمیں کھول کر

لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ

بتائے کہ وہ (گائے) کیسی ہے۔ ہمیں تو اس قسم کی (سب) گائیں ایک ہی جیسی نظر آتی ہیں۔ اور (یقین رکھیے کہ) اگر اللہ نے چاہا تو ہم

لَمُهْتَدُوْنَ ۲ھ ○ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ

ضرور ہدایت کو قبول کر لیں گے۔ (موسیٰ نے) کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہے نہ تو جوئے کے نیچے لائی گئی ہے

تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا

کہ ہل چلاتی ہو اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہے ــــ بالکل تندرست ہے اس میں کوئی

شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا

غیر رنگ نہیں (پایا جاتا) انہوں نے کہا (ہاں) اب تو نے (ہم پر) حقیقت کھول دی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس (گائے) کو ذبح کر دیا

وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ۳ھ ○ ع ۸

گو وہ ایسا کرنے پر آمادہ نہ تھے

۲ھ روایات میں آتا ہے کہ سوالات اور شکوک کے دوران میں اُن کا اس طرح "اِنْ شَآءَ اللّٰہُ" کہنا ان کے لئے ہدایت اور کامیابی کا موجب بن گیا۔ اسلام نے حکم دیا ہے کہ انسان ہر کام میں خدا کی مشیت کا نظارہ کرے۔ مگر رسماً ایسا کہنا چنداں مفید نہیں۔ دل سے یہ یقین کرنا کہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہی وقوع پذیر ہوتا ہے انسان کے لئے فائدہ بخش ہے۔

۳ھ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مطلق گائے کے ذبح کرنے کا حکم تھا مگر یہود نے اپنے سوالات کے نتیجہ میں بہترین گائے کی تعیین کر ڈالی۔

اس سارے واقعہ سے یہ بدیہی نتیجہ نکلتا ہے کہ خدا کی راہ میں قربانی سب عیب اور بے لوث ہونی چاہیئے۔ خدا کے نام پر ردّی چیز کا دینا اور اپنے لئے اچھی چیز رکھنا ایمانداری کی نشانی نہیں۔ بنی اسرائیل کا قصہ یہود پر اتمام حجت کے لئے اور مسلمانوں کو عبرت اور سبق حاصل کرنے کیلئے سُنایا گیا ہے تا وہ احکام الٰہی کی تعمیل میں اس قسم کی ہچکچاہٹ نہ ظاہر کریں +

غیر ملکی طاقتیں جماعت احمدیہ کی مخالفت کی آگ بھڑکا رہی ہیں

"اصابع الاستعمار التی تلعب وراء القادیانیة فی کلّ مکان"

عراقی اخبار "الانباء" کے مشہور نامہ نگار کا ذاتی تجربہ

بغداد کے مشہور اخبار "الانباء" کے فاضل مضمون نگار الاستاذ علی الخیاط افندی نے ذیل کا مقالہ اپنے اخبار میں شائع فرمایا ہے۔ گزشتہ ایام میں عراق میں بھی جماعت احمدیہ کے خلاف اخبارات نے شدید نکتہ چینی شروع کی تھی جس پر "الانباء" کے مضمون نگار نے یہ مقالہ سپردِ قلم فرمایا ہے۔ انہوں نے اس مضمون میں مسلم فرقوں کے اتحاد و یگانگت پر خاص زور دیا ہے پھر انہوں نے یہ بتایا ہے کہ استعماری طاقتوں کو مسلمانوں کا یہ اتفاق بہت ناگوار ہے اور وہ اپنے تمام ذرائع سے کام لے کر مسلمانوں میں تفرقہ و شقاق پیدا کرنا چاہتی ہیں۔ انہوں نے اپنا ذاتی واقعہ بیان کیا ہے کہ ۱۹۴۳ء میں ایک غیر ملکی استعماری طاقت نے انہیں احمدیوں کے خلاف اشتعال انگیزی کیلئے آلہ کار بنانا چاہا اور احمدیوں کی تکفیر پر آمادہ کرنے کی کوشش کی اور ہر ممکن طریقہ سے طمع دلائی۔ فاضل مقالہ نگار لکھتے ہیں کہ اس طرح جماعت احمدیہ کے خلاف محاذ قائم کرنے کی یہ وجہ تھی کہ جماعت احمدیہ نے اسرائیل کی یہودی حکومت کے خلاف مسلمانانِ عالم بالخصوص عرب ممالک کے اتحاد کے لئے کامیاب کوششیں شروع کر رکھی تھیں۔ ان کوششوں سے گھبرا کر استعماری طاقتوں نے جماعت احمدیہ کے خلاف فتویٰ تکفیر اور اس کی تشہیر کو آلہ کار بنانا چاہا تھا۔ ہم ذیل میں فاضل نامہ نگار کا پورا مضمون حرف بحرف نقل کرتے ہیں اور اس کے ساتھ اردو ترجمہ بھی کر رہے ہیں "اصابع الاستعمار التی تلعب وراء القادیانیة فی کلّ مکان" کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں:۔

"قامت بعض الصحف فی الآونة الاخیرة بتوجیه النقد ضد جماعة القادیانیة بصورة مستمرة وبشکل یثیر الاهتمام فما هی القادیانیة وما هو الدافع لانتقادها بهذه الصورة علی صفحات الصحف؟

هناك مشکلة معقدة بین القادیانیین وخصومهم نظراً للتهم التی تکال الیهم حقاً او باطلاً فالقادیانیون یطلقون علی انفسهم (الجماعة الاحمدیة) ویدعون انهم من اتباع میرزا غلام احمد الذی کان یسکن فی قریة

"گزشتہ دنوں بعض اخبارات نے قادیانی جماعت کے خلاف پے در پے ایسی صورت میں نکتہ چینی کی ہے کہ جس کی طرف انسان کو توجہ کرنی پڑتی ہے۔ قادیانیت کیا ہے؟ اور اخبارات میں اس کے متعلق اس طرح نکتہ چینی کرنے کی کیا وجہ ہے؟

قادیانیوں اور ان کے مخالفین کے درمیان ایک مشکل در پیش ہے۔ قطع نظر اس امر کے کہ وہ اتہامات جو قادیانیوں پر لگائے گئے ہیں وہ درست ہیں یا غلط ہیں قادیانی لوگ اپنے آپ کو جماعت احمدیہ کہتے ہیں اور وہ میرزا غلام احمد صاحب کے پیرو ہونے کے مدعی ہیں جو ہندوستان میں قادیان کی بستی میں

قاديان في الهند والذي ارسله الله لتوثيق عرى الدين ويعتبرونه المهدي الموعود و المسيح المعهود الذي تنبأت الكتب الدينية بمجيئه في آخر الزمان وهم متمسكون بتعاليم الإسلام ومتعصبون للديانة الاسلامية ويعتنقون المذهب الحنفي۔

واما خصومهم فيطلقون عليهم لقب (القاديانية) ويعتبرونهم مرتدين عن الديانة الإسلامية رغم تظاهرهم بالتمسك بالدين الاسلامي ورغم ادائهم الفرائض الدينية حسب الشريعة الإسلامية۔

والاحمدية او القاديانية كما يسميها خصومها ليست وليدة اليوم بل مضى على تأسيسها سبعون سنة في قرية قاديان بالهند واتبعها بعض الذين كانوا يعتبرونها الطريقة الحقة حسب اعتقادهم. وسواءً أكانت هذه الطريقة حقة أو باطلة وسواءً أكانت هذه الفئة مسلمة أو خارجة على الإسلام فليس هناك ما يبرر للصحف انتقادها بهذا الشكل وفي مثل هذا الوقت الذي يحتاج فيه المسلمون الى الاتحاد وجمع الصفوف لمواجهة الأخطار المحيطة بهم من كل جانب۔

وقد يستغرب القراء اذا عرفوا ان ليس في العراق من اتباع هذه الجماعة سوى ثماني عشر عائلة فقط تسكن تسع منها في بغداد واربع في البصرة واربع في الحبانية وعائلة واحدة في خانقين وان جميع هؤلاء جاؤا من الهند الى العراق بقصد التجارة وقد تجنس بعضهم بالجنسية العراقية كما بقى البعض الآخر على

رہتے تھے اور جنہیں ان کے دعووں کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس لئے بھیجا تھا کہ دین اسلام کو مستحکم کریں۔ قادیانی انہیں وہی مہدی موعود اور مسیح معہود سمجھتے ہیں جن کے آخری زمانہ میں آنے کے متعلق مختلف مذہبی کتابوں میں پیشگوئی پائی جاتی ہے قادیانی اسلامی احکام پر عمل پیرا ہیں اور اسلام کے لئے غیرت رکھتے ہیں اور وہ حنفی مذہب کی پیروی کرتے ہیں۔

احمدیوں کے مخالف انہیں قادیانی کے لفظ سے پکارتے ہیں اور ان کے ظاہری طور پر اسلام کی تعلیم پر عمل پیرا ہونے اور شریعت کے مطابق دینی فرائض کے ادا کرنے کے باوجود انہیں مرتد قرار دیتے ہیں۔

احمدیت یا قادیانیت کوئی آج نئی پیدا نہیں ہوئی بلکہ قریباً ستر سال پہلے ہندوستان کے شہر قادیان میں اس کی بنیاد رکھی گئی۔ اور جو لوگ اس طریقہ کو درست سمجھتے تھے انہوں نے اپنے عقیدہ کے مطابق اس کی پیروی کی۔ ہمارے نزدیک خواہ یہ طریقہ درست ہو یا باطل ہو خواہ یہ لوگ مسلمان ہوں یا اسلام سے خارج ہوں بہر حال اخبارات کے لئے کوئی معقول وجہ اس امر کی نہیں ہے کہ وہ اس نازک وقت میں جبکہ مسلمانوں کو چاروں طرف سے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے اتحاد اور یکجہتی کی ضرورت ہے اس طرز پر قادیانیت کو اپنی تنقید کا ہدف بنائیں۔

شاید قارئین کو تعجب ہوگا جب انہیں یہ معلوم ہوگا کہ سارے عراق میں اس جماعت کے صرف ۱۸ خاندان بستے ہیں۔ ۹ خاندان بغداد میں، چار بصرہ میں، ۴ حبانیہ میں اور ایک خاندان خانقین میں اور یہ سب لوگ ہندوستان سے عراق میں تجارت کی نیت سے آئے تھے۔ بعض نے ان میں سے عراقی قومیت کے سرٹیفکیٹ حاصل کر لئے ہیں اور بعض اپنی ہندوستانی قومیت پر قائم رہے جیسے انہوں نے

جنسيتهم الهندية التى استبدلولها بالباكستانية بعد تقسيم الهند -

وبالرغم من مرور عشرات السنين على بقاء هؤلاء فى العراق فانهم لم يدخلوا شخصاً واحداً من العراقيين فى زمرتهم وليس لهم اي معبد خاص او اجتماعات مذهبية خاصة ويقتصر نشاطهم على توزيع بعض الصحف والكراسات التى تبحث عن رقى الاسلام او الدفاع عن عروبة فلسطين اوكيان بعض الدول الاسلامية والان يتساءل القارئ اذا كان الامر كذلك فما هو سبب هذه الحملة وهذا الانتقاد على صفحات الجرائد ؟

ليس هنالك سوى سبب واحد وهو اصبع الاستعمار الذى يلعب دوراً هاما فى هذه القضية لبث الشقاق والتفرقة بين المسلمين الذين لازالوا بانتظار اليوم الموعود الذى يقومون فيه بجولتهم الثانية لتطهير البلاد المقدسة من أرجاس الصهيونية واعادة فلسطين الى صحابها الشرعيين - ان الاستعمار يخشى ان يتحقق حلم العرب هذا وتزول دولة اسرائيل التى تحمل الكثير عن المشاق فى سبيل تكوينها فيعمد الى اثارة الشقاق بين طوائف المسلمين باثارة النعرات لتقوم بعض العناصر بتكفير فئة الاحمدية و التشهير بهم حتى يؤدى ذلك الى الشقاق بين الباكستان و بين بعض الدول العربية التى تقوم صحفها بتكفير ظفر الله خان وزير خارجية باكستان الذى يتبع الطريقة الاحمدية -

ولعل كثيرا من القراء يذكرون محاولة

ہندوستان کی تقسیم کے بعد پاکستانی قومیت میں تبدیل کر لیا۔

عراق میں اتنے عرصہ سے رہنے کے باوجود انہوں نے کسی عراقی شخص کو اپنی جماعت میں داخل نہیں کیا۔ انکا کوئی اپنا معبد نہیں ہے اور نہ ہی ان کے کوئی خاص مذہبی اجتماعات ہیں۔ ان کی ساری جدوجہد بعض اخبارات اور ایسے ٹریکٹ تقسیم کرنے میں منحصر ہے جن میں اسلام کے غلبہ کے متعلق دلائل دیئے گئے ہیں یا فلسطین اور بعض اسلامی حکومتوں کے دفاع پر گفتگو کی گئی ہے۔ اسجگہ پر پڑھنے والے کے دل میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ جب واقعہ یہ ہے تو اخبارات میں قادیانیوں پر اس طرح نکتہ چینی کرنے اور اس حملے کی کیا وجہ ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ اس کا صرف ایک سبب ہے اور وہ یہ کہ استعماری طاقتیں مسلمانوں میں تفرقہ اور شقاق پیدا کرنے کے لئے خاص کوشش کر رہی ہیں اور وہ انہیں اپنی انگلیوں پر نچانا چاہتی ہیں۔ کیونکہ مسلمان ابھی تک اس انتظار میں ہیں کہ وہ یوم موعود کب آتا ہے کہ جب وہ دوبارہ بلادِ مقدسہ کو یہودیت کی لعنت سے پاک کرنے کیلئے متحدہ قدم اٹھائیں گے اور فلسطین اس کے جائز اور شرعی حقداروں کو مل سکیگا۔ استعماری طاقتیں ڈرتی ہیں کہ کہیں عربوں کا یہ خواب پورا نہ ہو جائے اور اسرائیلی سلطنت صفحہ ہستی سے مٹ نہ جائے جس کے قائم کرنے کے لئے انہوں نے بڑی بڑی مشکلات برداشت کی ہیں اسلئے یہ غیر ملکی حکومتیں ہمیشہ کوشش کرتی ہیں کہ مسلمانوں میں مختلف نعرے لگا کر منافرت پیدا کی جائے اور بعض فرقے احمدیوں کی تکفیر اور ان پر نکتہ چینی کرنے کیلئے کھڑے ہو جائیں یہاں تک کہ اس طریق سے حکومت پاکستان اور بعض ان عرب حکومتوں میں بھی اختلاف پیدا ہو جائے جن کے اخبارات پاکستان کے وزیر خارجہ ظفر اللہ خان احمدی کو کافر قرار دیتے ہیں۔

غالباً بہت سے پڑھنے والوں کو یاد ہوگا کہ کچھ عرصہ قبل

بعض العناصر فی باکستان قبل مدۃ تأسیس (الاسلامستان) ای جامعۃ الدول الاسلامیۃ وذلك بجمع کافۃ الدول الاسلامیۃ فی منظمۃ واحدۃ لتسییر سیاستہا الخارجیۃ والمحافظۃ علی کیانہا واستقلالہا الا ان ہذہ المحاولۃ بادت بالفشل بعد أن وقف بعض العناصر منہا موقفاً معارضاً وکان من جملۃ الاسباب التی أدت الی فشل ہذا المشروع ہو سلاح التکفیر الذی ناولہ الاستعمار لید بعض المتطرفین لیشہروہ فی وجوہ الذین تبنوا المشروع المذکور لانہم قادیانیون و مارقون عن الاسلام۔

وقد یظن بعض القراء ان ما اذکرہ من تدخل الاستعمار فی ہذہ القضیۃ لیس الا ولید الحدس والظن الا انی أؤکد للقراء بأنی مطلع کل الاطلاع علی تدخل الاستعمار فی ہذہ القضیۃ اذ انہ حاول ان یستغلنی فیہا بالذات عام ۱۹۴۸ اثناء حرب فلسطین۔

کنت حینئذٍ احرر احدی الصحف الفکاہیۃ وکانت من الصحف الانتقادیۃ المعروفۃ فی عہدہا وقد ارسل الیّ موظف مسئول فی احدی الہیئات الدبلوماسیۃ الاجنبیۃ فی بغداد یدعونی لمقابلتہ وبعد تقدیم المجاملۃ وکیل المدیح علی الاسلوب الذی اتبعہ فی النقد رجانی ان انتقد الجماعۃ القادیانیۃ علی صفحات الجریدۃ المذکورۃ بابلغ طریقۃ ممکنۃ لانہا جماعۃ مارقۃ عن الدین۔ فاجبتہ فی بادئ الامر بأنی لا اعلم شیئاً عن ہذہ الجماعۃ وعن معتقداتہا

پاکستان کی بعض جماعتوں نے اس امر کی کوشش کی تھی کہ مسلمان حکومتوں کا ایک اسلامی بلاک قائم کیا جائے تاکہ ان کی ہستی اور ان کی آزادی قائم رہے اور ان کی بیرونی سیاست ایک ہج پر چلے۔ مگر یہ کوششیں بعض دوسری مسلمان جماعتوں کی مخالفت کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکیں۔ اس تجویز کی ناکامی کے اسباب میں درحقیقت بڑا سبب وہ مسئلۂ تکفیر ہے جو بعض انتہا پسند مولویوں کے ہاتھ میں استعماری طاقتوں نے دیا تھا تاکہ وہ اس تجویز کے محرکین کو قادیانی اور اسلام سے خارج کہہ کر اس کو ناکام بنانے کی کوشش کریں۔

شاید کسی شخص کو یہ خیال پیدا ہو کہ میرا اس معاملے میں استعماری طاقتوں کو دخل انداز قرار دینا صرف ظن اور گمان ہے مگر میں قارئین کرام کو پورے یقین کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے اس امر کی پوری پوری اطلاع ہے کہ درحقیقت یہ سب کاروائی استعماری طاقتیں کروا رہی ہیں کیونکہ فلسطین کی گزشتہ جنگ کے ایام میں ۱۹۴۸ء میں استعماری طاقتوں نے خود مجھ کو اس معاملے میں

اُن دنوں میں ایک ظرافتی پرچے کا ایڈیٹر تھا اور اس کا انداز حکومت کے خلاف نکتہ چینی کا انداز تھا۔ چنانچہ انہی دنوں مجھے ایک غیر ملکی حکومت کے ذمہ دار نمائندہ مقیم بغداد نے ملاقات کے لئے بلایا اور کچھ چاپلوسی اور میرے انداز نکتہ چینی کی تعریف کرنے کے بعد مجھے کہا کہ آپ اپنے اخبار میں قادیانی جماعت کے خلاف زیادہ سے زیادہ دلآزار طریق پر نکتہ چینی جاری کریں کیونکہ یہ جماعت دین سے خارج ہے۔ میں نے جواب میں عرض کیا کہ مجھے تو اس جماعت اور اس کے عقائد کا کچھ پتہ نہیں میں ان پر کس طرح نکتہ چینی کر سکتا ہوں۔ اس نمائندہ نے مجھے بعض ایسی

ولذلك لا يمكنني ان انتقدها فزوّدني ببعض الكتب التي تبحث في معتقدات القاديانية كما انّه زوّدني ببعض المقالات عسى أن تنفعني بعض عباراتها في كتابة مقالاتي الموعودة ـ واستطعت ان اطلع على بعض عقائد الجماعة من مطالعة الكتب التي زوّدني بها المسئول المذكور والّتي لم اجد فيها شيئاً يدلّ على تكفيرهم حسب اعتقادي وبعد عدة مقابلات طلبت منه ان يعذرني عن تلك المهمّة نظراً لاعتقادي بأن ذلك يسبب الشقاق بين الطوائف الاسلامية في مثل ذلك الوقت بالذات فاجاب قائلاً: الا ان هؤلاء ليسوا بمسلمين وقد كفرهم علماء جميع الطوائف الاسلامية في الهند. فقلت له ان اقوال علماء الهند ليست اقوى حجة من الآية القرآنية التي تصرح بان لا تقولوا لمن القى اليكم السلام لست مؤمناً فما كان منه الا ان قال غاضباً وهل اثرت فيك دعاية القوم فخرجت عن الاسلام واصبحت قاديانياً واخذت تدافع عنهم فقلت متهكماً كن على يقين يا هذا بانّي لا استطيع ان أدعى بانّي مسلم بكلّ ما في هذه الكلمة من معنى بالرغم من قضائي عشرات السنين بين المسلمين فهل تكفي مطالعة بضعة كتب للقاديانية أن تجعلني قاديانياً ؟

وقد اطلعت خلال ترددي على هذه الهيئة بأني لست الوحيد المكلّف بهذه المهمّة بل هنالك اناس آخرون يشاركونني التكليف كما انى لم اكن الشخص الوحيد الذى رفض بل رفضه غيري ايضاً.

كان ذلك عام ١٩٤٨ في الوقت الذى

کتابیں دیں جن میں قادیانی عقائد پر بحث کی گئی تھی اور اس نے مجھے بعض مضامین بھی دیئے تا وہ مجھے اپنے مقالات کے لکھنے میں فائدہ دیں - چنانچہ ان کتابوں کے مطالعہ سے مجھے اس جماعت کے بعض عقائد کا علم ہوا - لیکن میں نے ان میں کوئی ایسی بات نہ دیکھی جس سے میرے عقیدہ کے مطابق انہیں کافر قرار دیا جاسکے - اس استعماری نمائندہ سے چند ملاقاتوں کے بعد میں نے اس کام کے کرنے سے معذرت پیش کردی اور کہا کہ میرے عقیدہ کے مطابق یہ طریق اس وقت اسلامی فرقوں میں اختلاف و انشقاق بڑھانے والا ہے - اس شخص نے مجھے کہا کہ قادیانی تو مسلمان ہی نہیں اور ہندوستان کے تمام فرقوں کے علماء انہیں کافر قرار دے چکے ہیں میں نے اس سے کہا کہ ہندوستانی علماء کے اقوال قرآن مجید کی اس آیت کے مقابل میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لا تقولوا لمن القى اليكم السلام لست مؤمناً کہ جو شخص تمہیں السلام علیکم کہے اسکو کافر مت کہو - میرا اتنا کہنا تھا کہ وہ شخص غضبناک ہوگیا اور کہنے لگا کہ معلوم ہوتا ہے کہ قادیانی پراپیگنڈے نے تمہارے دل پر بھی اثر کر دیا ہے اور تو قادیانی بن گیا ہے اور اسلام سے خارج ہوگیا ہے اسی لئے تو ان کی طرف سے جواب دے رہا ہے - میں نے مذاق کرتے ہوئے کہا کہ جناب یقین جانیں کہ میں اتنے لمبے عرصے مسلمان کہلانے اور مسلمانوں میں رہنے کے باوجود یہ دعویٰ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا کہ میں صحیح معنوں میں مسلمان ہوں تو کیا قادیانیت کے متعلق چند کتب کا مطالعہ مجھے قادیانی بنا سکتا ہے؟

میں جب تک اس سفارت خانہ میں جایا کرتا تھا مجھے معلوم ہوا کہ میں اکیلا ہی اس کام کیلئے مقرر نہیں کیا جا رہا بلکہ کچھ اور لوگوں کو بھی اس میں شریک کیا جا رہا ہے - پھر مجھے یہ بھی پتہ لگا کہ اس کام کے کرنے سے صرف میں نے ہی انکار نہیں کیا بلکہ بعض دوسرے لوگوں نے بھی استعمار کا آلۂ کار بننے سے انکار کر دیا تھا -

یہ ان دنوں کی بات ہے جب ۱۹۴۸ء میں ارض مقدسہ کا

اقتطع فيه جزء من الاراضي المقدسة وقدم لقمة سائغة للصهيونيين واني اظن ان إقدام الهيئة المذكورة على مثل هذا العمل كان ردّ فعل للكراستين اللتين نشرتهما الجماعة الاحمدية في ذلك العام بمناسبة تقسيم فلسطين وكانت احداهما بعنوان "هيئة الامم المتحدة وقرار تقسيم فلسطين" التي كانت تبحث في المؤمرات التي دبرت في الخفاء بين المستعمرين والصهيونيين لتسليم المواقع الفلسطينية الى الصهيونيين وكانت الثانية بعنوان (الكفر ملة واحدة) وكانت تحث المسلمين على توحيد الصفوف وجمع المال لمحاربة الصهيونيين وتطهير البلاد المقدسة من أرجاسهم -

هذا ما اطلعت عليه بنفسي في ذلك الحين واني واثق كلّ الوثوق بأنّ الاحمديين ما داموا يبذلون الجهود لجمع كلمة المسلمين وتوحيد صفوفهم ويبحثون عن اسباب تتيح للمسلمين القضاء على دولة اسرائيل اللقيطة ضيعة المستعمرين فان الاستعمار لن يتوان عن تحريك بعض الجهات للتشهير بهم بقصد تشتيت الكلمة -

ويجدر بنا ان نذكر للقراء بأن جامع (ووكنگ) الذي يعد من أروع المساجد في لندن والذي زاره مؤخراً الوفد الصحفي العراقي وصلى فيه قبل ايام قليلة يدار من قبل الجماعة الاحمدية وان مجلة (اسلامك ريفيو) التي هي لسان حال المسلمين في لندن تشرف عليها هذه الجماعة

ایک حصہ کاٹ کر صیہونی حکومت کے سپرد کر دیا گیا تھا اور اسرائیلی سلطنت قائم ہوئی تھی اور میرا خیال ہے مذکورہ بالا سفارت خانہ کا یہ اقدام درحقیقت ان دو ٹریکٹوں کا عملی جواب تھا جو تقسیم فلسطین کے موقع پر اسی سال جماعت احمدیہ نے شائع کئے تھے۔ ایک ٹریکٹ کا عنوان "هيئة الامم المتحدة وقرار تقسيم فلسطين" تھا جس میں مغربی استعماری طاقتوں اور صیہونیوں کی ان سازشوں کا انکشاف کیا گیا تھا جن میں فلسطینی بندرگاہوں کے یہودیوں کو سپرد کر دینے کا منصوبہ بنایا گیا تھا۔ دوسرا ٹریکٹ "الكفر ملة واحدة" کے عنوان سے شائع ہوا تھا جس میں مسلمانوں کو کامل اتحاد اور اتفاق رکھنے کی ترغیب دی گئی تھی اور صیہونیوں کے مقابلہ اور ارض مقدسہ کو ان سے پاک کرنے کیلئے اموال جمع کرنے کی ترغیب دی گئی تھی۔

یہ وہ واقعہ ہے جس کا مجھے ان دنوں ذاتی طور پر علم ہوا تھا اور مجھے پورا یقین ہے کہ جب تک احمدی لوگ مسلمانوں کی جماعتوں میں اتفاق پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے اور جب تک وہ ان ذرائع کو اختیار کرنے کیلئے کوشاں رہیں گے جن سے استعماری طاقتوں کی پیدا کردہ حکومت اسرائیل کو ختم کرنے میں مدد مل سکے تب تک استعماری طاقتیں بعض لوگوں اور فرقوں کو اس بات پر آمادہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں گی کہ وہ احمدیوں کے خلاف اس قسم کی نفرت انگیزی اور نکتہ چینی کرتے رہیں تا کہ مسلمانوں میں اتحاد نہ ہو۔

اس جگہ یہ ذکر کرنا بھی مناسب ہے کہ ووکنگ مسجد جو لندن کی سب سے بڑی مسجد ہے۔ اور جس کی زیارت کے لئے پچھلے دنوں عراقی صحافیوں کا ایک وفد بھی گیا تھا وہ جماعت احمدیہ ہی کی زیر نگرانی جاری ہے اور رسالہ "اسلامک ریویو" جو لندن میں مسلمانوں کی نمائندگی کرتا ہے وہ بھی اسی جماعت کی طرف سے چل رہا ہے۔

وقد شاهد الوفد الصحفي العراقي ان الجامع المذكور لايختلف في شيء عن بقية مساجد المسلمين و ان الشعائر التي تقام فيه هي شعائر اسلامية بحتة" (الأنباء بغداد نمبر ۲۶ مورخہ ۲۱ ستمبر ۱۹۵۲ء)	عراق کے صحافیوں کا وفد اس امر کا مشاہدہ کر چکا ہے کہ وہ مسجد مسلمانوں کی دوسری مساجد سے کسی طرح مختلف نہیں اور اس میں خالص اسلامی عبادات ادا کی جاتی ہیں"۔

معزز قارئین! آپ فاضل نامہ نگار کے مضمون سے بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ غیر مسلم بیرونی طاقتیں مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لئے کس طرح غیر شریفانہ طریقے اختیار کر رہی ہیں۔ ہمیں ان استعماری طاقتوں کی بجائے ان مسلمان کہلانے والوں پر تعجب ہے جو دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں میں آلۂ کار بنتے ہیں اور نہایت ذلیل دنیوی مفاد کی خاطر اپنی قوم کی جڑوں پر کلہاڑا رکھتے ہیں۔ یقیناً ایسے لوگ خارجی دشمنوں سے بھی بدتر ہیں۔

مکرم الاستاذ علی الخیاط ایسے مشہور مضمون نویس نے استعماری نمائندہ کو صاف اور واضح جواب دیکر درحقیقت استعمار کے آتشیں رخسار پر ایک زبردست اور حقارت آمیز طمانچہ رسید کیا ہے۔ اگر مسلمان ادیب، مسلمان عالم اور مسلمان سیاست دان اسی طرح اخلاقی جرأت سے کام لیں تو یقیناً اسلام کے دشمنوں کی ہمتیں پست ہو جائیں اور وہ ایسے کمینے طریقوں سے مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کا خیال تک نہ لا سکیں۔ اس وقت سب سے بڑی مصیبت یہی ہے کہ بعض مسلمان خریدے جاتے ہیں اور دشمنوں کے ہاتھوں میں اپنی قوم اور ملت کے خلاف ایک آلہ بن جاتے ہیں۔

بلادِ عربیہ کے لئے اس وقت اسرائیلی حکومت کا وجود ناسور کی حیثیت رکھتا ہے۔ استعماری طاقتوں نے اسجگہ یہودی سلطنت قائم کر کے عربی ملکوں کے سینوں پر ایک پستول تان رکھا ہے اور ہر لمحہ یہ خطرہ موجود ہے کہ اس بہانہ سے بلادِ عربیہ پر کوئی آفت نازل ہو جائے اور ان کا امن و امان برباد ہو جائے۔ چونکہ اس جگہ پر اسرائیلی سلطنت کا وجود ایک غیر طبعی وجود ہے اسلئے اس کی حفاظت کے لئے خود اسرائیلیوں کو اور پھر ان کی حمایتی حکومتوں کو ایسے ناجائز ذرائع اختیار کرنے پڑتے ہیں جو اخلاق و شرافت سے بالکل بعید ہیں۔

آپ مذکورہ بالا مضمون سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ استعماری طاقتیں مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کر کے ہی اپنی پروردہ اسرائیلی حکومت کو قائم رکھ سکتی ہیں۔ وہ ہر قیمت پر مسلمانوں کو ان کے جائز اور قانونی حقوق سے محروم رکھنا چاہتی ہیں۔ اب مسلمانوں کی عقلمندی اسی میں ہے کہ وہ ان معاند طاقتوں کے منصوبوں کا شکار نہ بنیں اور اپنی متحدہ طاقت سے ان کے تمام حیلوں کو ناکام بنا دیں۔ یہ بات موجبِ مسرت ہے کہ مسلمانوں میں ایسے مخلصوں کی کمی نہیں ہے جو پوری جرأت کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کو سب چیزوں پر مقدم رکھتے ہیں۔ درحقیقت ایسے لوگ ہی قوم کے حقیقی خیرخواہ اور سچے خادم ہیں۔

بلادِ عربیہ میں جماعت احمدیہ کے خلاف استعماری طاقتوں نے مذہب کے نام پر ایک فتنہ کھڑا کیا اور کچھ علماء اور اخبارات کو اس غرض سے خریدا۔ ان لوگوں نے اسلام کا نام لیکر مسلمانوں کے مفاد کو نقصان پہنچایا اور بظاہر احمدیت کی مخالفت کا بہانہ بنایا مگر درحقیقت یہ لوگ غیر ملکی حکومتوں کی خدمت کر رہے تھے۔

گزشتہ دنوں پاکستان میں "مولویوں" کی طرف سے جماعت احمدیہ کے خلاف جو شورش برپا کی گئی تھی اور جس میں اسلام کے پاک نام کو اپنے دنیاوی مقاصد کے لئے بے موقع طور پر استعمال کیا گیا تھا۔ یہ لوگ اپنے اس فعل سے حکومت، ملک اور ملت کو نقصان پہنچانیوالے

ثابت ہو چکے ہیں اور ان کی ساری تگ و دو دراصل غیر ملکی سلطنتوں کے مفاد کے لئے تھی ورنہ کون نہیں جانتا کہ احمدیہ تحریک کوئی آج کی پیدا شدہ تحریک نہیں ہے تا ان علماء کو اسکے خلاف اسوقت خاص جوش پیدا ہو جاتا ؟ بصیرت رکھنے والی آنکھ دیکھ سکتی ہے کہ یہ سب کچھ پاکستان کو کمزور کرنے کے لئے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے ملک کو اس شدید ابتلاء سے بچا لیا اور پاکستان کے دشمنوں کو ناکام و نامراد کر دیا ہے۔

مذکورہ بالا مضمون سے یہ بات بھی بالبداہت ثابت ہے کہ "مولوی" لوگ جماعت احمدیہ کو استعمار کا آلہ قرار دینے میں سراسر باطل پر ہیں۔ سوچنے والی بات ہے کہ اگر یہ جماعت استعماری طاقتوں نے قائم کی ہوتی تو کیا وہ خود ہی اس کی بربادی کیلئے علماء اور اخبارات کو روپیہ دے دے کر آلہ کار بناتے ؟۔

اے کاش کہ لوگ ان حقائق پر غور کریں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے مامور کی آواز پر کان دھریں اور اس کی خادم اسلام جماعت کا ساتھ دیں۔ و آخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین + (ابو العطاء جالندھری)

رسالہ الفرقان

مسلمانوں کی ترقی کا اصل ذریعہ یہ ہے کہ وہ قرآن مجید پر عمل پیرا ہوں۔ اسکے احکام کو سمجھیں اور انکے مطابق اپنی زندگی کو بنائیں۔ اس روحانی انقلاب کے لئے ایمان اور علم کی ضرورت ہے، دلائل و براہین کا جاننا لازمی ہے، قرآنی فضیلت سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔ اس عظیم الشان مقصد کیلئے رسالہ الفرقان جاری کیا گیا ہے جس میں قرآن مجید کے حقائق و معارف کے علاوہ اسکے فضائل کا بیان ہوتا ہے۔ مخالفین اسلام کے اعتراضات کے جواب دیئے جاتے ہیں اور مشکلات قرآنی کا حل پیش کیا جاتا ہے۔

آپ بھی اس رسالہ کے خریدار بن کر اشاعت قرآن میں حصہ لیں سالانہ چندہ پانچ روپے ہے (مینیجر الفرقان ربوہ۔ پاکستان)

مکتبۂ الفرقان

اس مکتبہ کے ذریعہ آپ ہر قسم کی دینی کتابیں طلب فرما سکتے ہیں۔ ہم مصر سے بھی کتابیں منگوانے کا انتظام کر رہے ہیں۔ آپ اپنی تمام علمی ضرورتوں کے لئے اس مکتبہ کو آرڈر دیکر ممنون فرمادیں۔

مکتبہ کے مندرجہ ذیل ٹریکٹ و رسائے آپ کی معلومات میں اضافہ کرنے کا موجب ہوں گے:۔

(۱) مناظرہ مہت پور شیعہ صاحبان کے ساتھ ذیل کے چار مضامین پر تحریری مناظرہ ہوا تھا (۱) صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام (۲) ختم نبوت کی حقیقت (۳) تعزیہ (۴) متعہ۔ فرقہ اثنا عشریہ کی طرف سے اس مناظرہ میں جناب مرزا یوسف حسین صاحب مشہور شیعہ مناظر مقرر تھے اور جماعت احمدیہ کی طرف سے مولانا ابو العطاء جالندھری مناظر مقرر تھے۔ قریباً پونے دو سو صفحے کا یہ رسالہ فریقین کے مشترکہ خرچ سے شائع ہوا تھا اب اسکی چند مجلد کاپیاں یہاں میسر آئی ہیں شائقین اصحاب فی نسخہ قیمت مع محصولڈاک کے لئے سوا روپیہ (۱۴/۰) بھیجکر طلب فرمائیں۔

(۲) کلمۃ الیقین فی تفسیر خاتم النبیّین۔ یہ سولہ صفحات کا ٹریکٹ خاتم النبیین کی تفسیر میں ایک جامع اور مانع مگر مختصر مضمون پر مشتمل ہے۔ فی نسخہ ایک آنہ اور فی سینکڑہ پانچ روپے۔

(۳) حضرت مسیح ناصری کی زندگی کے بارے میں جدید انکشاف۔ بڑے حجم کے چار صفحات پر عمدہ کاغذ پر انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا کے حوالہ سے حضرت مسیح علیہ السلام کی تین تصویریں مفصل مضمون کے ساتھ شائع کی گئی ہیں۔ یہ تصویریں حضرت مسیح کی جوانی، ادھیڑ عمر اور بڑھاپے کی ہیں۔ ان تصاویر سے عیسائیت کا یہ عقیدہ سراسر باطل ٹھہرتا ہے کہ حضرت مسیح ۳۳ سال کی عمر میں آسمان پر جا بیٹھے تھے۔ یہ مضمون انگریزی، اردو اور عربی میں چھاپا گیا ہے۔

نوٹ:۔ ہر دو ٹریکٹوں کے ایک ایک حصہ کے لئے مع محصولڈاک تین آنے کے ٹکٹ بھیجیں!

مینیجر مکتبۂ الفرقان۔ ربوہ ضلع جھنگ۔ پاکستان

[illegible] ربوہ [illegible] ۱۹۵۲ء [illegible]

جلالۃ الملک شاہ حجاز کا اعلان

"امریکہ سے ہمارے گہرے دوستانہ تعلقات ہیں"

سرزمین حجاز کا سرکاری اخبار "اُمّ القریٰ" مکہ معظمہ اپنی اشاعت میں لکھتا ہے کہ جلالۃ الملک المعظم سعود شاہ نجد و حجاز نے اعلان فرمایا ہے کہ:-

"ان بلادہ التی تعمل علی استتباب السلام العالمی سوف لا تألو جھداً فی ان تقوی علاقاتها [illegible] مع العالم [illegible] عامة و الولایات المتحدة [illegible] خاصة لما یربط بینها و بین بلاده من مصالح مشترکة و صداقة متبادلة"

ترجمہ:- ہماری مملکت جو دنیا بھر میں قیامِ امن کے لئے کوشاں ہے اس کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جائے گا کہ تمام امن پسند ممالک سے عام طور پر [illegible] تعلقات مضبوط ہو جائیں اور خاص طور پر امریکہ سے ان [illegible] کیونکہ امریکہ اور حجاز کو باہمی [illegible] طرف کی باہمی دوستی نے مضبوط [illegible]"

(اُمّ القریٰ ۲۰ ستمبر ۱۹۵۵ء [illegible] ۱۳۷۴ھ)

الفرقان:- [illegible] سعودیہ کے مسلم منش بادشاہ کا یہ اعلان [illegible] پاکستان کے ارباب حل و عقد نے اپنے [illegible] اختیار کر رکھی ہے وہ نہایت مناسب پالیسی ہے۔ عقلمندی کے ساتھ غیر مسلم سلطنتوں سے [illegible] کے قیام میں تعاون کرنا اور دوستانہ تعلقات [illegible] کی سب سے بڑی دانشمندی ہے اور اگر [illegible] اسلام کے [illegible] سے فائدہ بھی [illegible]" [illegible] بات بن جاتی ہے۔

فلسطین کے متعلق

سعودی حکومت کا موقف!

جناب ایڈیٹر صاحب اخبار "اُمّ القریٰ" نے جلالۃ الملک سعود المعظم کا نہایت جرأت مندانہ بیان شائع کیا ہے۔ آپ نے فرمایا:-

"واذ کانت الدول الغربیة قد وجدت من ساعدها علی تنفیذ خطة الصهیونیة بایجاد اسرائیل فی فلسطین فان الوعی [illegible] جماهیر الشعوب العربیة الیوم [illegible] فلن یجرأ الیوم عربی واحد ان یقرأی صلح مع اسرائیل أو یدعو الی نوع من انواع التفاهم والتعاون معها مادام عرب فلسطین فی وضعیتهم الحاضرة"

کہ اگرچہ یہ درست ہے کہ گذشتہ دنوں مغربی حکومتوں کو موقع ملا ہے کہ انہوں نے فلسطین میں اسرائیلی سلطنت قائم کر کے صیہونیوں کے منصوبہ کو پورا کر دیا ہے مگر عرب قوموں میں آج جو قومی بیداری پیدا ہو گئی ہے وہ پہلے سے بہت مختلف ہے اب کوئی عربی شخص فلسطین [illegible] کی موجودہ حالت کی موجودگی میں یہ جرأت نہیں کر سکتا کہ اسرائیلی حکومت سے کوئی صلح کرے یا ان سے مفاہمت اور تعاون کے لئے تحریک کر سکے۔

مکرم ایڈیٹر صاحب اُمّ القریٰ اسی شاہی اعلان پر لکھتے ہیں:-

"هذا هو موقف حکومة صاحب الجلالة تعلنه للملأ الیوم و غداً ولن تحید عنه مطلقاً ان شاء الله"

کہ سعودی حکومت کا فلسطین کے بارے میں یہ موقف ہے جسے ہم شائع کرتے ہوئے اعلان کرتے ہیں کہ ہم اس موقف سے کبھی بھی اِدھر اُدھر نہ ہوں گے ان شاء اللہ" (اُمّ القریٰ یکم اکتوبر ۱۹۵۵ء [illegible] ۱۳۷۴ھ)

الفرقان:- فیصل سعود بن عبد العزیز ملک الدولة العربیة السعودیة [illegible]

ماہنامہ

الفرقان

ربوہ
پاکستان

قرآنی علوم و معارف بیان کرنیوالا رسالہ

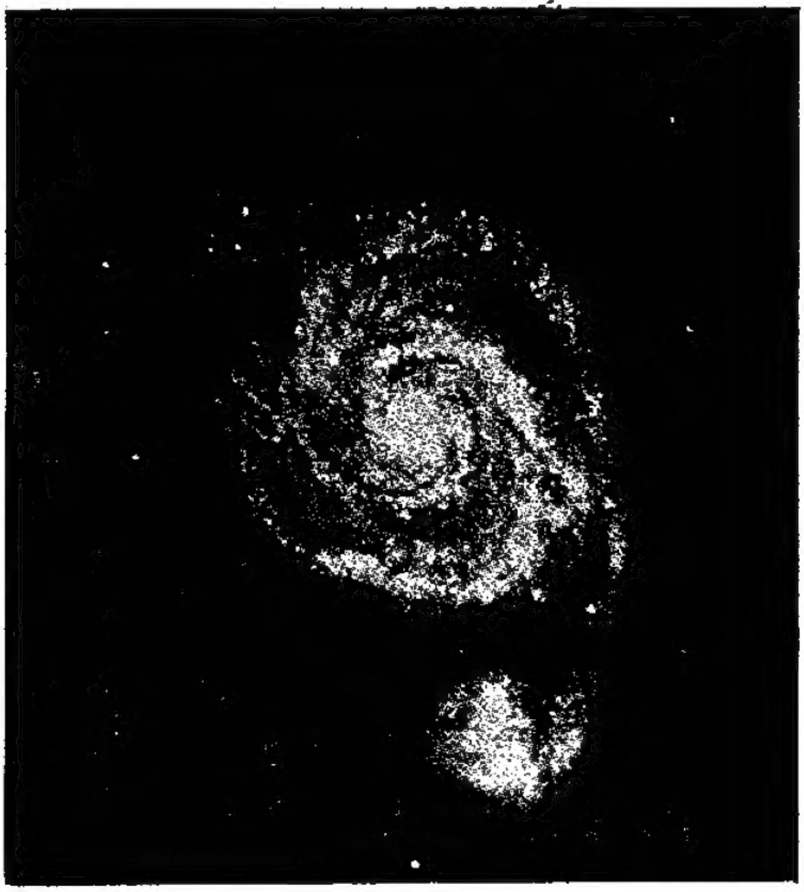

الفرقان کے اس سالانہ نمبر کے "سات آسمان" والے علمی مضمون کے صفحہ ۵۴ سے متعلقہ تصویر

سالانہ نمبر کی قیمت
۱۲ر

سالانہ چندہ
پانچ روپے

صرف ماٹیشل پیج خالد پرنٹنگ پریس سرگودھا میں چھپا